فضیلۃ الشیخ عبد الوھاب العثمان

فکر انگیز مثالیں

قرآن وحدیث سے

عربی سے ترجمہ

عبدالباسط ندوی

المعھدالعالی للتدریب فی القضاء والافتاء
پھلواری شریف، پٹنہ

فضیلة الشیخ عبد الوهاب العثمان

فکر انگیز مثالیں

قرآن وحدیث سے

عربی سے ترجمہ

عبد الباسط ندوی

المعهد العالی امارت شرعیه پهلواری شریف، پٹنه، الهند

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب: فکر انگیز مثالیں قرآن وحدیث سے

{وتلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون}

مؤلف: فضیلة الشیخ عبد الوهاب العثمان

عربی سے ترجمہ: عبدالباسط محمد شرف الدین الندوی

صفحات: ۲۱۶

کمپوزنگ: محمد احسان اللہ سبیلی (شعبہ کمپیوٹر دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد)

تعداد: ۱۰۰۰

سنہ طباعت: باراول ۱۴۳۲ھ ـــــ ۲۰۱۱ء

قیمت: ۱۰۰/روپے

(یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے)

باهتمام

دارالعلوم سبیل السلام، مدینة العلم - حیدر آباد

DARUL ULOOM SABEELUS SALAM

MADINATUL ILM, HYDERABAD,50005 A.P.India

Ph:0091-402-24440450 Fax:24441835

E-mail:info@sabeelussalam.org

المعهدالعالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف، پٹنه

AL-MAHADUL AALI

Higher studies centre for Islamic Jurisprudence

Quazi Nagar,Phulwari Sharif,Patna 801505 Bihar, India

Ph:0091-612-2555661, 0091-9430875424

E-mail:almahadulaali@hotmail/rediffmail.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم	۸
اپنی بات		۱۱
مقدمہ		۱۳
چند باتیں		۱۵
بلند ذات، بلند مثال		۱۶
اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالیں		۱۶
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے		۱۷
☆ مثال ـــــ لغت اور اصطلاح میں		۱۸
قرآنی مثالوں کی قسمیں		۲۱
امثال مصرحہ		۲۱
امثال کامنہ		۲۲
امثال مرسلہ		۲۴
مثالوں کے فائدے		۲۵
مثالوں کی حکمت		۲۸
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے		۳۷
☆ قرآن کریم کی بیان کردہ مثالیں		۳۹
دنیا کی مثال		۴۰
تیزی کے ساتھ فنا ہونے والی دنیا		۴۵

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری	۴۹
حق و باطل کی مثال	۵۰
بندۂ مومن کے دل میں نورِ الٰہی	۵۲
توحید کی مثالیں	۵۵
مشرک کی مثال	۶۱
مشرکوں کی بیان کردہ مثالیں	۶۲
غیر اللہ کو دوست بنانے والے	۶۵
باطل معبودوں کی کمزوری و بے وقعتی	۷۱
کافروں کی ایک مثال	۷۴
ایک اور مثال	۷۷
کفر و ضلالت کے داعی	۸۰
داعیان کفر و گمرہی کے مقلدین	۸۳
منافقوں کی مثال	۸۵
جاہل منافقین	۸۷
یہود سے منافقوں کا وعدۂ نصرت	۹۲
نیک بخت اور بد بخت	۹۵
غیر اللہ کو پکارنے والے	۱۰۰
اطاعت شعار اور ناشکر گذار	۱۰۱
دنیا کی وجہ سے دین کی ناقدری	۱۰۳
اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والے	۱۰۸
موحد مؤمن اور مشرک کافر	۱۱۲
آخرت کا انکار	۱۱۵
اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی مثال	۱۱۷
شیطانی کاموں میں خرچ کرنے والے	۱۲۱

اچھی اور بری بات	۱۲۲
جنت	۱۲۵
نعمتوں کی ناقدری	۱۳۰
ایمان والوں کے لئے نمونہ	۱۳۲
حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی پیدائش	۱۳۳
بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال	۱۳۵
مومنوں کی آزمائش پچھلی قوموں کی طرح	۱۳۹
امتِ محمدیہ کے لئے انتباہ	۱۴۱
فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت	۱۴۴
انتشار وافتراق	۱۴۵
حاملین تورات	۱۴۸
دو باغ والے	۱۴۹
اہل ضروان کی عبرتناک داستان	۱۵۳
☆ نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ مثالیں	۱۵۷
بے حقیقت دنیا	۱۵۸
دنیا کے ساتھ نبی ﷺ کا معاملہ	۱۵۹
امتِ محمدیہ کے ساتھ خیر کی وابستگی	۱۶۰
مسلمانوں کی باہمی محبت	۱۶۲
متقی اور صالح مؤمن	۱۶۳
مومن مثل کھیتی اور کافر ومنافق مثلِ صنوبر	۱۶۵
مؤمن کھجور کے درخت کے مانند ہے	۱۶۶
حیران وششدر منافق	۱۶۸
تلاوتِ قرآن کے پابند	۱۶۹
قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے	۱۷۰

سخی اور بخیل	۱۷۲
صدقہ دینے کے بعد واپس لینا	۱۷۴
خود فراموش عالم	۱۷۵
علم چھپانے والے	۱۷۷
غیر اللہ کی عبادت کرنے والے	۱۸۰
اپنی قوم کی ناحق مدد کرنے والے	۱۸۳
اللہ ــــ دلوں کا مالک!	۱۸۴
یہود، نصاریٰ اور مسلمان	۱۸۶
پنج وقتہ نمازیں ــــ گناہوں کا کفارہ	۱۸۹
یاد الٰہی سے آباد اور غیر آباد گھر	۱۹۱
حصہ بقدر ظرف	۱۹۲
رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ساتھ	۱۹۵
رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار اور نافرمان	۱۹۸
حدود اللہ ــــ رعایت اور عدم رعایت!	۱۹۹
صراطِ مستقیم	۲۰۳
اچھے اور برے ہم نشیں	۲۰۵
برائی کے بعد نیکی	۲۰۹
بلا ضرورت سوال کرنا	۲۱۰
اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے	۲۱۱
آپ ﷺ کے ذریعہ قصر نبوت کی تکمیل	۲۱۳
انسان نقشۂ نبوی میں	۲۱۵

پیش لفظ

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

الحمد لله الذی کفی ،وسلام علی عباده الذین اصطفی ،أما بعد:

اللہ تعالی کی کتاب قرآن مجید جو اس کی طرف سے اس کے برگزیدہ نبیوں پر اتارے گئے صحیفوں میں آخری صحیفہ ہے ،اور اس کے آخری نبی حضور اکرم (ﷺ) پر اتارا گیا ،اس میں براہ راست تو عربوں کو مخاطب کیا گیا ،اور ان کے واسطہ سے آئندہ آنے والی تمام قوموں کو مخاطب کیا گیا ،عرب امی تھے ،کتابی علم سے بالکل خالی تھے ،لیکن عقلی اور طبعی صلاحیتوں کے اعتبار سے دوسری قوموں سے کم نہ تھے ،امی ہونے کی وجہ سے انسانوں کے بیان کردہ علم کا ان پر اثر نہیں پڑا تھا ،ان کے پاس جو علم تھا وہ خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ اور مشاہدہ اور غور وفکر سے حاصل کیا ہوا تھا ،قرآن مجید میں ان کے اس فہم اور ان کی عقلی صلاحیت اور طبعی خصوصیت کی رعایت رکھتے ہوئے سہل انداز میں ان کی زبان عربی مبین میں ان کے قلب ودماغ کو ان کی زندگی کی کامیابی کی راہ دکھائی گئی ،اور مثالوں کے ذریعہ سے بہت سی باتیں واضح کی گئیں ۔انسان مثالوں سے بات کو جتنا سمجھتا ہے اتنا عقلی دلائل سے نہیں سمجھتا ،قرآن مجید میں اس کی بڑی رعایت رکھی گئی ، وہ اللہ تعالی کی آخری کتاب ہے ،اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اس کے ذریعہ سے کی گئی ہے ،جس میں بڑی عقل وآگہی والی قومیں اور طبقات بھی آتے ہیں ،اس لئے اس میں انسانوں کے ترقی یافتہ ذہن کا بھی لحاظ کیا گیا ہے ،ایک طرح سے یہ کلام بڑا سادہ اور عام فہم بھی ہے اور بڑا گہرا اور عقل وخرد

کومؤثر طریقہ سے متوجہ کرنے والا بھی ہے، سادہ اور سہل ہونے کے لحاظ سے اس میں مثالوں سے اچھا خاصا سمجھایا گیا ہے، جس کا مطالعہ کرنے سے مثالوں کی اثر انگیزی اچھی طرح محسوس کی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید کے اس طرز کلام کو اس کے ماننے والوں نے اپنی اپنی صلاحیت وقابلیت کی سطح سے اختیار کرنے کی کوشش کی، اس طریقہ سے مثالوں کے ذریعے سمجھانے کا ایک اچھا خاصا سرمایۂ علمی وجود میں آیا، اس موضوع کو کویت کے ایک بڑے فاضل شیخ عبدالوھاب العثمان نے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔

زندگی کو سدھارنے اور راہ مستقیم پر چلانے کے لئے رہنمائی کا فراہم ہونا انسانی معاشرہ کے لئے نہایت ضروری ہے، اور یہ رہنمائی صرف علم وعقل کے طرز کلام سے ہی انجام نہیں پاتی، بلکہ اس کے لئے عام سطح کی صلاحیتوں کی رعایت کرتے ہوئے زندگی میں پیش آنے والے واقعات وحالات کی مثالوں کے ذریعہ زیادہ اثر پیدا کرتی ہے، اور اس کے لئے قرآن مجید کا طریقہ تفہیم وتلقین اور اس کے بعد اس کے نمونے پر جو ناصحین امت نے اختیار کئے اس سے بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

شیخ مذکور نے اس طرح کی مثالوں کو قرآن مجید اور حدیث شریف اور بعد کے علماء ناصحین کے ایسے نمونوں کو جمع کر کے ایک مفید کام انجام دیا جس کو دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے بانی اور سابق ناظم اعلی مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اردو دانوں کے فائدہ کے لئے ترجمہ کرا کے اردو کے اسلامی لٹریچر میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا، اور اپنے یہاں کے ہی ایک استاذ ☆ مولانا عبدالباسط ندوی کو یہ کام سپرد کیا جو انہوں نے اچھے طریقہ سے انجام دیا، اور اچھا سلیس اور عام فہم زبان میں یہ ترجمہ تیار

کیا، جس کو اسلامی فکر ودعوت کا کام کرنے والی متعدد شخصیتوں نے دیکھا اور مشورہ دیا ،اوراب بہ صورت کتاب اشاعت پذیر ہونے جارہا ہے، مولانا عبدالباسط صاحب نے مجھ سے مقدمہ کی فرمائش کی، چونکہ یہ ایک اچھا کام ہے، اس لئے اس کے تعارف وترویج کے معاملہ میں شرکت میرے لئے خوشی ومسرت کا باعث ہے، اللہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

۱۶/۰۸/۱۴۳۰ھ — محمد رابع حسنی ندوی

۰۸/۰۸/۲۰۰۹ء — دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆اس وقت میں دارالعلوم سبیل السلام سے متعلق تھا ادھر چند برسوں سے امارت شرعیہ کی زیرنگرانی المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف، پٹنہ سے متعلق ہوکر کام کر رہا ہوں (مترجم)۔

اپنی بات

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین

آج سے تقریباً پندرہ سولہ سال قبل جب میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد سے متعلق ہوا تو حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ نے ایک کتاب ''وتلک الامثال نضربھا للناس ''اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے عنایت فرمائی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں مجھ پر بڑے احسانات ہیں کہ انہوں نے ایک طرف تدریسی اعتبار سے ابتدا سے لے کر دورۂ حدیث تک تفسیر وحدیث اور فقہ ادب کی مختلف کتابیں بتدریج پڑھانے کا موقع عنایت فرمایا تو دوسری طرف اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمے کے لئے مختلف چیزیں دیتے رہے، میں اس کے لئے ان کا بیحد ممنون ہوں اور اللہ رب العزت سے دست بدعا کہ اللہ تعالی انہیں جنت الفردوس میں بہتر سے بہتر جگہ دے اور مجھ پر احسانات کا بدلہ بھی عطا فرمائے کہ وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔

یہ کتاب مولانا کویت سے لے کر آئے تھے، کتاب کے مؤلف کا تعلق بھی کویت ہی سے ہے۔ میں جب کتاب کے ترجمہ سے فارغ ہوا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا مولانا نے از خود نگاہ ڈالی اور بعض مقامات پر تصحیح بھی فرمائی اور کتاب کا نام بھی تجویز فرمایا ''فکر انگیز مثالیں کتاب وسنت سے''، پھر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کے سپرد کیا کہ وہ ایک نظر ڈال لیں، میں مولانا رحمانی مدظلہ کا بیحد مشکور ہوں کہ انہوں نے خردنوازی کا ثبوت دیتے ہوئے از ابتدا تا انتہا نظر ثانی اور اصلاح فرمائی (مولانا مدظلہ اس وقت سبیل السلام کے صدر مدرس وشیخ الحدیث تھے)

نظر ثانی واصلاح کے بعد کتابت کے لئے دی گئی، مگر تین مختلف کاتبوں کی کتابت کچھ اس انداز کی ہوئی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق سلیم پر گراں گزرا بالآخر دارالعلوم سبیل السلام کے کمپیوٹر سیکشن

میں از سر نو کمپوزنگ کے لئے دیدی گئی، ابھی چند صفحات کی کمپوزنگ ہوئی تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علالت پھر وفات کا زبردست سانحہ پیش آ گیا اور جو کام جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

کئی برسوں کے بعد اس کی کمپوزنگ وطباعت کی نوبت آئی، کمپوزنگ کے لئے مولانا محمد احسان اللہ سبیلی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دلچسپی کے ساتھ اس کام کو مکمل کیا

ترجمہ میں ممکن حد تک آسان زبان استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہیں کہیں حسب ضرورت حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا، احادیث کی تخریج اصل کتاب میں یا تو ناقص تھی یا تھی ہی نہیں، اصل مصادر سے ملا کر تخریج کر دی گئی اور جہاں کہیں عبارت میں فرق پڑا وہاں اصل مصادر کی عبارت درج کی گئی، احادیث کی تخریج اور کمپوزنگ کی تصحیح میں برادر محترم مولانا محمد عثمان قاسمی ناظر کتب خانہ دار العلوم سبیل السلام اور مولانا مسعود عالم ندوی استاذ دار العلوم سبیل السلام کی بڑی معاونت رہی جس کے لئے ہم ان کے بیحد مشکور ہیں اللہ تعالی ان سب کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

ترجمہ کتاب کے پیش لفظ کے لئے میں نے اپنے استاذ گرامی قدر مربی ومحسن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے درخواست کی حضرت نے از راہ شفقت ومحبت درخواست قبول فرمائی اور کتاب کے لئے پیش لفظ تحریر فرما دیا جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوا، اس کے لئے ہم اپنے استاذ محترم کے بیحد شکر گزار ہیں اور اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی صحت وعافیت کے ساتھ ان کا سایہ ہم امت اسلامیہ پر تا دیر قائم رکھے آمین یارب العالمین۔

اخیر میں میں پھر حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی کے لئے بدست دعا ہوں کہ اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اس کتاب کو ان کے لئے بھی صدقۂ جاریہ بنائے اور ان کے لگائے ہوئے باغ دار العلوم سبیل السلام کو ہمیشہ باغ وبہار رکھے اور فتنوں سے محفوظ فرمائے

عبد الباسط محمد شرف الدین الندوی

۱۴۳۱/۳/۷ھ

مُقَدِّمَة

ان الحَمْدللہ نحمَدہ و نستعین بہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمَالنا، من یَھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ، و اشھد ان لاالٰہ الا اللہ و اشھد ان محمَّدا عبدہ و رسولہ ﷺ۔

اما بعد :

بیشک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اسی کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت کے طالب ہیں، ساتھ ہی ہم اپنے نفس اور اپنے اعمال کی برائیوں اور اس کے شرور وفتن سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اللہ جسے ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا محض فضل وانعام ہی ہے کہ اس نے مجھے کتاب وسنت کے اندر بیان کردہ مثالوں پر ایک رسالہ کی ترتیب وتصنیف کی توفیق دی۔

میں نے اس رسالہ کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے پہلا حصہ مثال کی تعریف اور اس کے فوائد، دوسرا حصہ قرآن کریم کے اندر بیان کردہ مثالیں اور تیسرا حصہ احادیث شریفہ کے اندر وارد شدہ مثالیں۔

میں اپنے اس رسالہ کو اپنے دینی بھائی اور بہنوں کے نام معنون کرتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کے پڑھنے اور ان مثالوں میں غور وفکر

اور تدبر کرنے کی توفیق دے اور اس کے ذریعے فائدہ پہونچائے تاکہ یہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو۔

ساتھ ہی ان مثالوں میں جو حکمتیں، عبرتیں، عظمتیں اور ٹھوس و واضح دلائل پیش کئے گئے ہیں ہم انہیں اپنی عملی زندگی میں برتیں اور اس دنیاوی زندگی پر ان کو منطبق کرنے کی کوشش کریں تاکہ آخرت میں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب ہمارے میزانِ عمل کو وزنی بنا سکے۔

مؤلف

عبدالوہاب محمد عبداللطیف العثمان

ابوانس

چند باتیں

اللہ رب العزت نے اپنی کتابِ عظیم میں جسے باطل کی ہوا تک نہیں لگ سکتی ہے تمام انواع واقسام اور موقع ومحل کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم جو بہترین فصیح عربی زبان میں ہے اور جس میں کسی طرح کی کوئی کجی وانحراف یا التباس واشتباہ کا شائبہ تک نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ہر طرح کی مثالیں ذکر فرمائی ہیں، اور مثالوں کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا ہے۔

ارشادِ باری ہے :

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔(الزمر: ۲۷)

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون بیان کردیئے ہیں

اور فرمایا :

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ . (الکھف: ۵۴)

اور ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں۔

یعنی ہم نے اس قرآن کریم میں حق کو خوب واضح اور کھول کھول کر پوری شرح و بسط کے ساتھ اور مسکت وٹھوس دلائل کی روشنی میں بیان کردیا تاکہ لوگ راہِ حق سے دور اور راہِ ہدایت سے منحرف نہ ہونے پائیں، لیکن اسے کیا کیجئے کہ انسان ان واضح دلائل کے باوجود بحث وتکرار اور کٹ حجتی پر کمر بستہ اور حق کے مقابلہ باطل کا طرفدار بنا رہتا ہے۔

فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (الفرقان : ۵۰)

تاہم اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو سمجھانے اور ان کے فہم سے قریب تر کرنے کے لئے بہت سی

چیزوں کو مثالوں اور نظیروں کی صورت میں ذکر فرماتے ہیں تا کہ عقلی و نظریاتی باتیں بھی حسی اور مادی چیزوں کی مثال سے اچھی طرح واضح اور روشن ہو جائیں اس لئے کہ مثالیں معانی کو ذہنوں سے قریب کرتی ہیں اور اچھے مقاصد کو بہتر اور بھلا بنا کر پیش کرتی ہیں جو انسانی طبیعتوں کے لئے قابلِ قبول اور عقل کے لئے باعثِ طمانیت ہوتا ہے اس لئے درحقیقت تمثیلات قرآنِ کریم کے اعجازی پہلوؤں اور اسالیب بیان میں سے ایک اہم پہلو اور اسلوب ہے۔

بلند ذات، بلند مثال:

زمین و آسمان کی اعلیٰ اور اونچی مثالیں اللہ رب العزت ہی کے لئے ہیں، اس کے برابر کوئی چیز نہیں، وہ صفاتِ کمال میں منفرد و یکتا ہے، وہ اپنے بندوں پر پوری طرح قادر اور غالب ہے کوئی اس سے مزاحم نہیں ہوسکتا، بلکہ اس نے ہر چیز کو اپنی حکمت و قدرت کے ذریعہ اپنے ماتحت کر رکھا ہے چنانچہ اس کے اسماء وصفات، ذات اور اقوال و افعال میں تمام اونچی مثالیں اسی کے لئے ہیں، وہ غالب وحکمت والا ہے اور ہر اعتبار و ہر جہت سے تمام کمالات سے متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالیں:

اللہ رب العزت نے بہت سی مثالیں بیان فرمائیں ہیں لیکن اس سے اہلِ علم و معرفت اور ان آیات میں تدبر کرنے والے ہی فائدہ اٹھاتے اور اس کو سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ. (العنکبوت : ۴۳)

اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

مثالوں کے بیان کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ خود اپنے اندر اور دنیا کی ان ساری چیزوں میں جو اُن کے گرد و پیش ہیں غور و فکر کریں۔

وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ . (الحشر : ۲۱)

اور ہم ان مثالوں کو محض اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

اس طرح خالق کی عظمت کو جانیں اور اس کا اعتراف کریں کہ کائنات میں تصرف کا یکا و تنہا وہی مالک ہے، وہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کسی اور کی پرستش کرنا حرام و ناجائز ہے۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جن پر ٹھوس اور مضبوط دلائل موجود ہیں اور ان پر ایمان صرف اس کے مومن بندے ہی لاتے ہیں چنانچہ انہیں کے لئے اچھی مثالیں بھی ہیں۔

گرچہ اللہ رب العزت نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کی خاطر مثالیں بیان فرمائی ہیں مگر اللہ رب العزت ہر چیز سے خوب واقف ہے اسے یہ بھی خبر ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت و گمراہی کا۔

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے۔

ماضی میں جو قومیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے قہر و غضب اور عذاب و سزا کی مستحق ٹھہریں اور ہلاک و برباد کردی گئیں ان کی ہلاکت و بربادی کی داستان کو اللہ رب العزت نے بعد میں آنے والی قوموں کے لئے بطورِ مثال بیان فرمایا ہے تا کہ وہ ان کے لئے باعثِ عبرت ہوں اور یہ ان گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب اور رسولوں کی نافرمانی سے باز رہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے اللہ رب العزت کی آیات کو جھٹلایا، ہدایت کی اتباع نہیں کی اور آخرت پر ایمان نہیں لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بری مثال بیان فرمائی ہے اور ہر طرح کی خامی و نقص کو انہیں کفار کی طرف منسوب کیا ہے، ارشاد ہے :

سَآءَ مَثَلاً ۨ الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا. (الاعراف : ۱۷۷)

کیسی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں۔

☆☆☆

مثال ـــ لغت اور اصطلاح میں

امثال مثل کی جمع ہے مَثَل ، مِثل اور مثیل تینوں کے معنی ایک ہیں، شبیہ، نظیر اور مشابہ کے، جیسے: شِبْہ، شِبَہ اور شَبِیْہ ۔

ادب کی اصطلاح میں مثل ہر اس زبان زد قول کو کہتے ہیں جس سے کسی خاص حالت کی تشبیہ مقصود ہو اور وہ اسی طرح کی حالت کے پسِ منظر میں کہا گیا ہو (اردو میں اس کو محاورہ سے تعبیر کر سکتے ہیں) جیسے رب رمیة من غیر رام یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب کسی غلط کار سے کبھی اتفاقاً کوئی صحیح کام بھی ہو جائے۔

مثال کا اطلاق عجیب، نادر الوقوع قصہ اور حالت پر بھی ہوتا ہے اور اسی معنی میں قرآنِ کریم کی بہت سی آیتوں کی جس میں لفظ مثل آیا ہے تفسیر کی گئی ہے جیسے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَارٌ مِنْ مَّآءٍ غَیْرِ آسِنٍ. (محمد : ۱۵)

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں متغیر نہ ہونے والے پانی کی نہریں ہوں گی۔

یہاں مَثَل سے اس کی یہ خاص کیفیت اور حیرت انگیز وصف مراد ہے۔

علامہ زمخشریؒ نے اپنی تفسیر ''کشّاف'' میں ان تینوں معانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مثل عربوں کے کلام میں اصلاً نظیر و شبیہ کے معنی میں آتا ہے پھر اس کا استعمال زبان زد خاص و عام محاورات اور کہاوتوں کے لئے ہونے لگا، اور عام طور پر انہیں باتوں کو محاورات کا درجہ حاصل ہوتا ہے جن میں ندرت پائی جاتی ہو آگے لکھتے ہیں۔ مثل کا استعمال اس حالت یا بیانِ واقعہ یا کیفیت کے لئے بھی ہوتا ہے جس میں کچھ

انوکھاپن اور ندرت پائی جاتی ہو۔ (۱)

مثال کی تعریف کرتے ہوئے علماءِ بلاغت نے ایک چوتھے معنی کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ مثل ان کے نزدیک اس ''مرکب مجازی'' کو بھی کہتے ہیں جس کے درمیان مشابہت کا تعلق ہو اور اس کا استعمال عام ہو یہ دراصل ''استعارہ تمثیلہ'' ہے جیسے کسی کام میں پس وپیش کرنے والے شخص کو کہیں کہ ''**مالی اراک تقدم رجلا و تؤخر اخری**'' میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک قدم آگے بڑھاتے ہو اور ایک قدم پیچھے۔

مثال کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ وہ دراصل ''معانی'' کو محسوسات کی شکل میں بیان کرنے کا نام ہے جس کی وجہ سے اس کی خوبصورتی و جمال میں اضافہ ہو جاتا ہے، یہ معنی مراد لینے میں ضروری نہیں کہ وہ کسی خاص موقع پر ہی کہا گیا ہو یا مرکب مجازی ہو۔

مؤلفین نے ''امثال القرآن'' کے عنوان پر جو کچھ لکھا ہے ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ذیل میں ان تمام آیات کو رکھتے ہیں جن میں ایک حالت کے ذریعہ دوسری حالت کی تصویر کشی کی گئی ہو، چاہے یہ بہ طرز استعارہ و کنایہ ہو یا تشبیہ کی صراحت موجود ہو، اسی طرح ان آیات کو بھی اس میں شمار کیا گیا ہے جو عمدہ معانی پر دلالت کر رہی ہوں اور کلام میں ایجاز و اختصار بھی ہو، بعض ایسی آیات بھی ہیں جو واقعات پر مبنی نہیں ہیں بلکہ تمثیلی قصے ہیں جو بطور تشبیہ وعبرت بیان کئے گئے ہیں۔

اس لئے قرآن کی تمام امثال کو اس کے اصل لغوی معنی ''تشبیہ ونظیر'' ہی تصور کرنا درست نہیں ہوگا اور نہ ہی ان ادبی معنوں میں لینا درست ہوگا جن کا تذکرہ علماء لغت وادب نے کیا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کے امثال زبان زد محاورے نہیں ہیں جو کسی خاص موقع پر استعمال ہو کر رائج ہو گئے ہوں، اسی طرح علماء بلاغت نے جو معنی بیان کئے ہیں اس معنی میں بھی قرآن کے امثال نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ان میں بہت سے ایسے امثال بھی ہیں جو نہ تو استعارہ ہیں اور نہ ہی ان کا استعمال عام ہے اس لئے آخر الذکر معنی ہی

---

(۱) الکشاف ۱/۳۸ (آیت مثلهم كمثل الذى استوقد نارا)

امثالِ قرآنی کے لئے موزوں ومناسب معلوم ہوتا ہے یعنی غیر محسوس حقیقتوں کو محسوسات کے ذریعہ عمدگی اور اختصار کے ساتھ پیش کرنا جس کا دلوں پر خاص اثر پڑے چاہے یہ تشبیہ کے پیرایہ میں ہو یا نہ ہو۔

قرآنی مثالوں سے متعلق علامہ ابنِ قیمؒ نے فرمایا ''کسی چیز کو دوسری چیز سے نتیجہ کے اعتبار سے تشبیہ دینا، یعنی غیر محسوس چیز کو فہم سے قریب کرنے کے لئے دوسری محسوس چیز سے تشبیہ دینا۔(۱)

ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں آگے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں سے اکثر میں صراحت کے ساتھ تشبیہ کے الفاظ موجود ہیں۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ . (یونس : ۲۴)	بس دنیا کی زندگی کا حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔

بعض میں تشبیہ ضمنی کی تعبیر اختیار کی گئی ہے

وَلَايَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ. (الحجرات : ۱۲)	اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے کیا تم میں کوئی اس کو گوارہ کرلے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے۔

اس آیت میں صراحۃً تشبیہ کا صیغہ موجود نہیں ہے

اسی ضمن میں بعض ایسی مثالیں بھی ذکر کی ہیں جن میں نہ تو تشبیہ ہی پائی جارہی ہے اور نہ ہی استعارہ، جیسے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَ لَوِ	اے لوگو! ایک بڑی بات (مثال) بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو! جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۵۰

اجْتَمَعُوْا لَهٗ ، وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّايَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ .
(الحج : ۷۳)

تو) پیدا کرنہیں سکتے چاہے سب اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے، لچر ہے (ایسا) طالب (بھی) اور (ایسا) مطلوب (بھی)

'' ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذبابا '' کو اللہ نے مثال قرار دیا ہے حالانکہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ استعارہ۔

قرآنی مثالوں کی قسمیں

قرآن کریم میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:
(۱) امثال مصرحہ (۲) امثال کامنہ (۳) امثال مرسلہ

امثال مصرحہ:

وہ مثالیں ہیں جن میں لفظ ''مثل'' یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ صراحۃً مذکور ہو، اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت پائی جاتی ہیں جیسے اللہ رب العزت نے منافقوں کے سلسلہ میں فرمایا :

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَاحَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمَاتٍ لَّايُبْصِرُوْنَ o صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ o اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ

ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے

السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(البقرة : ۱۷۔۲۰)

بھالتے نہیں (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، تو اب وہ واپس نہ ہونگے، یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینھ برس رہا ہو اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی، وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں میں انگلیاں کڑک کے سبب اور موت کے اندیشہ سے حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو، قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں اللہ اگر چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات میں اللہ رب العزت نے منافقوں کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ایک آگ سے ''كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا'' کہ نار میں نور کا مادہ موجود ہے اور ایک پانی سے ''اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ'' کہ پانی میں زندگی کا مادہ ہے، ان دونوں مثالوں کی وضاحت اسی کتاب میں اپنے موقع پر آئے گی۔

امثال کا منہ :

یہ وہ مثالیں ہیں جن میں صراحت کے ساتھ لفظ مثل نہیں آیا ہے لیکن یہ باوجود اختصار کے نہایت عمدہ معانی و مقاصد کی حامل ہیں، اور اگر موقع و محل کی رعایت کے ساتھ ان کا استعمال کیا جائے تو دلوں پر خاص اثر پڑتا ہے، اس سلسلہ کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ جیسے لوگوں کے یہاں یہ بات زبان زد ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ سب

سے اچھی چیز اور سب بہتر راستہ ''درمیانی'' ہے ''خیر الامورا اوساطھا ''(۱) اس مضمون کو درج ذیل آیات سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

لَافَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ . (البقرة : ٦٨)

نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان ہو۔

اور نفقہ سے متعلق ارشاد :

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ (الفرقان : ٦٧)

اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور اس کے درمیان (انکا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے۔

۲۔ ''لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ ''(۲) ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' یہ ایک محاورہ ہے حدیث میں بھی مذکور ہے اس کے لئے ان آیات کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد :

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ. (البقرة: ٢٦٠)

ارشاد ہوا کیا آپ کو یقین نہیں ہے عرض کی ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان ہو جائے۔

۳۔ آپ ﷺ کا ارشاد لَايُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (۳) کہ مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا، یعنی ایک ہی قسم کے دو دھوکے نہیں کھا سکتا۔ اس مفہوم کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ نے نقل کئے ہیں، ادا کر سکتے ہیں۔

قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ . (یوسف : ٦٤)

انہوں نے کہا اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا (اس سے) قبل اس کے بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۷۳/۳ (۲) مسند احمد عن ابن عباسؓ: ۲۱۵/۱

(۳) بخاری، کتاب الأدب باب لا یلدغ الخ

امثالِ مرسلہ:

یہ وہ آیتیں ہیں جن میں لفظ تشبیہ صراحۃً مذکور نہیں ہے لیکن وہ ضرب المثل کے طور پر رائج وعام ہیں ـــــ اس طرح کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ . (یوسف: ۵۱) — اب تو سچی بات سب پر ظاہر ہو چکی ہے

(۲) قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیَانِo (یوسف: ۴۱) — وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت تم دونوں پوچھ رہے ہو۔

(۳) لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ o (النجم: ۵۸) — اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں

(۴) اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ. (هود: ۸۱) — صبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟

(۵) وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ. (فاطر: ۴۳) — اور بری چال والوں کا وبال انہیں چال والوں پر پڑتا ہے۔ (چاہ کن راہ چاہ درپیش)

(۶) قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ. (الاسراء: ۸۴) — آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔

(۷) وَ عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ . (البقرہ: ۲۱۶) — لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

(۸) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ. (المدثر: ۳۸) — ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہوگا۔

(۹) هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ . (الرحمان: ۶۰) — بھلا کمالِ اطاعت کا بدلہ بجز کمالِ عنایت کے کچھ اور ہو سکتا ہے۔

(۱۰) كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَo (المؤمنون: ۵۳) — ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی میں مگن ہے۔

(۱۱) ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (الحج: ۷۳) — لچر ہے (ایسا) طالب (بھی) اور (ایسا) مطلوب بھی۔

(۱۲) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (الصافات: ۶۱) — ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنیوالوں کو عمل کرنا چاہئے:

(۱۳) لَايَسْتَوِيْ الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ. (المائدة: ۱۰۰) — ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتے۔

(۱۴) كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (البقرة: ۲۴۹) — بارہا چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں۔

(۱۵) لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ (الانعام: ۶۷) — ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت معین ہے۔

(۱۶) تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى. (الحشر: ۱۴) — تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب غیر متفق ہیں۔

مثالوں کے فائدے

۱۔ مثالیں عقلی اور غیر محسوس چیزوں کو محسوس شکل میں واضح کرتی ہیں جس سے انسان مانوس ہوتا ہے اور عقل کے لئے بھی قابلِ قبول ہوتی ہے کیوں کہ انسانی فطرت ہے کہ ذہن میں وہی بات قرار پکڑتی ہے جو محسوس اور قریب الفہم صورت میں اس کے سامنے آتی ہے۔

۲۔ مثالیں حقائق سے پردہ اٹھادیتی ہیں اور غائب کو موجود کی صورت میں پیش کردیتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَايَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ — جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے ہوسکیں گے سوا اس کے کہ وہ

الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ. (البقرة : ۲۷۵)

جیسے کھڑا ہوتا ہے جیسے شیطان نے جنون سے خبطی بنادیا ہو۔

۳۔ مثالیں کم الفاظ میں بلند تر مقصد کو واضح کرتی ہیں اور دریا بکوزہ کا مصداق ہوتی ہیں، اچھے اور عمدہ معانی کو مختصر عبارت میں بیان کر دیتی ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں امثالِ قرآنی کی دوسری اور تیسری قسم کے تحت آیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ مثالوں کے ذریعہ ترغیب کا بھی کام لیا جاتا ہے اور اس کے لئے اسی چیز کی مثال دی جاتی ہے جو باعثِ ترغیب ہو جیسے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (البقرة : ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے اس سے سات بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

(۵) اسی طرح ترہیب اور نفرت دلانے کا بھی کام لیا جاتا ہے اگر قابلِ نفرت چیز کی مثال دی جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے غیبت سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ . (الحجرات: ۱۲)

اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس کو گوارا کرلے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے۔

۶۔ کبھی کسی کی مدح و تعریف میں مثال کے ذریعہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ . (الفتح : ۲۹)

یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی، کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یہ نشو ونما صحابہ کو اس لئے دیا) تا کہ کافروں کو ان سے جلائے۔

چنانچہ صحابہ کی تعداد شروع میں بہت ہی تھوڑی تھی، اور وہ بہت ہی کمزور و بے بس سمجھے جاتے تھے لیکن پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھی اور اللہ نے دنیا میں بھی ان کو ایسا مقام عطا فرمایا کہ دلوں پر ان کی عظمتوں کے سکے بیٹھ گئے۔

۷۔ کبھی مثال اس لئے بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس کی مثال بیان کی جارہی ہے اس کے اندر کوئی ایسی صفت موجود ہے جس کو لوگ بہت ہی قبیح اور برا سمجھتے ہیں جیسے اللہ رب العزت نے اس شخص کی حالت کی مثال بیان فرمائی جس کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی پھر وہ راہِ مستقیم سے ہٹ گیا اور دنیا میں غوطہ لگا کر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑا، فرمایا:

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَأَ الَّذِیْ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُکْهُ یَلْهَثْ، ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا .

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہوگیا اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ ان (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا سو اس کی مثال

(الاعراف:۱۷۵. ۱۷۶)

کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو کھیدے رگیدے (جب بھی) ہانپے اسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔

۸۔ مثالیں دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اور وعظ و نصیحت میں اس کا بڑا اہم کردار رہتا ہے، اسی طرح زجر و توبیخ کے لئے بھی یہ بہت ہی مفید اور کارآمد ہے اور دلوں کی طمانیت کا باعث بھی ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں عبرت و نصیحت کے لئے کثرت سے مثالیں بیان فرمائیں ہیں، ارشاد ہے :

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○ (الزمر : ۲۷)

اور ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون بیان کر دیئے ہیں تا کہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی گفتگو میں مثالوں کا استعمال فرمایا، اور داعیانِ دین اور مبلغینِ حق نے حق کی تائید اور باطل کی تردید میں اس سے کام لیا ہے، تربیت کرنے والے مربی و معلم بھی اس اسلوب کلام سے استفادہ کرتے ہیں اور اپنے منشاء کی وضاحت اور کسی اچھی بات کا شوق دلانے کے لئے اس کا استعمال کرتے رہے ہیں، غرض یہ تعلیم و تربیت، ترہیب و ترغیب اور تعریف و مذمت کے موقعوں کے لئے ایک اہم وسیلہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔

مثالوں کی حکمت

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے مثالوں کو مختلف پہلوؤں اور مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے، کہیں بیداری کی بات سے کہیں خواب سے، کبھی کسی بات سے نفرت دلانے کے لئے اور کبھی اس کی اجازت عطا فرمانے کے لئے، اس نے

اپنے بندوں کو اس کے ذریعہ اس بات کی رہنمائی کی کہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں، اِن مثالوں کو انہیں کے مماثل دوسری چیزوں پر منطبق کریں، اور ایک شئ کو اس جیسی دوسری شئ کے لئے دلیل ونظیر بنائیں، خواب جو اجزاء نبوت میں سے ہے اور وحی کی ایک قسم ہے اس سے عبرت پذیری اور عبرت گیری کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے یہ بھی دراصل قیاس وتمثیل ہی ہے اور محسوسات سے غیر محسوس حقیقتوں کے فہم و ادراک کی سعی وکوشش ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ''قمیص'' کی تعبیر علم اور دین سے فرمائی ہے کہ جس طرح قمیص چھوٹی یا بڑی اور صاف یا گندی ہوگی تو اسی نسبت سے اس کی دینی کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، قمیص اور علم ودین کے درمیان جو چیز قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی چیزیں انسان کو سماج میں عظمت واحترام عطا کرتی ہیں اور ان سے ان کی پردہ پوشی ہوتی ہے، قمیص جسم کے لئے باعثِ ستر ہے تو علم ودین روح و قلب کے لئے، اور یہ دونوں ہی چیزیں انسان کو عام لوگوں کے درمیان عزت واحترام کے مقام سے نوازتی ہیں۔

اسی طرح دودھ کی تعبیر فطرت سے کی گئی ہے کہ یہ دونوں انسانی زندگی اور اس کے نشوونما کے لئے غذا کے درجہ میں ہیں، چنانچہ بچہ فطرۃً دودھ کو تمام غذاؤں پر ترجیح دیتا ہے اور دودھ کو چھوڑ کر دوسری غذا قبول نہیں کرتا، اسی طرح دین فطرت ''اسلام'' ہے جس پر اللہ رب العزت نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، گائے کی تعبیر دیندار اور اہلِ خیر حضرات سے کی جاتی ہے کہ گائے میں ہر طرح کے فائدے ہیں، لوگوں کو اس کی ضرورت رہتی ہے جب کہ اس میں کسی طرح کا کوئی نقصان یا شر نہیں پایا جاتا، اسی طرح دیندار اور اہلِ خیر حضرات ہیں کہ انہیں کی وجہ سے دنیا آباد ہے۔

کھیتی کی تعبیر عمل سے کی گئی ہے، اس لئے کہ عمل کرنے والا دراصل خیر یا شر کی کھیتی کرتا ہے اور کھیتی کرنے والے کو وہی چیز پیداوار میں ملتی ہے جس کی اس نے کھیتی کی ہے، اس اعتبار سے دنیا کھیتی ہے اعمال بیج ہیں اور قیامت کھیتی کے تیار ہونے اور کاٹنے کا دن ہے۔

درخت سے کٹ کر الگ پڑی ہوئی لکڑی کی تعبیر منافقین سے کی گئی ہے کہ ان دونوں کے درمیان مشترک چیز زندگی اور سایہ وپھل کا مفقود ہونا ہے اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے منافقوں کو دیوار سے لگی ہوئی لکڑی سے تشبیہہ دی ہے کہ ان کا جسم صرف ڈھانچہ ہے جو ایمان وخیر سے بالکل عاری ہے جس طرح ایسی لکڑی سایہ وپھل سے خالی، بے جان اور دیوار کے سہارے کھڑی رہتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ .(المنافقون: ۴) گویا یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگی ہوئیں۔

یہاں لکڑی کی صفت ''مسندہ'' (دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئی) لانے میں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ لکڑیوں کو جب درخت سے کاٹ کر الگ کرتے ہیں تو اس سے کام لیتے ہیں اور اس کو کسی مصرف جیسے شہتیر یا دروازہ وغیرہ میں استعمال کر لیتے ہیں لیکن جس وقت وہ کسی مصرف میں نہیں لگائی جاتی ہے تو یونہی بیکار پڑی رہتی ہے، چنانچہ یہاں منافقوں کی تشبیہ ایسی ہی بیکار پڑی ہوئی لکڑیوں سے دی گئی ہے۔

آگ کی تعبیر فتنہ سے کی جاتی ہے کہ دونوں کے اندر تخریب اور نقصان پہونچانے کا مادہ ہے تو جو شخص آگ کے قریب جاتا ہے وہ اس کے سامان کپڑے اور جسم وغیرہ کو جلا دیتی ہے اسی طرح جو فتنہ وفساد سے قریب ہوتا ہے وہ اس کے دل، دین اور ایمان کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔

ستاروں کی تعبیر علماء اور معزز حضرات سے کی جاتی ہے کہ زمین پر بسنے والے لوگ ان دونوں ہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں (ستاروں سے بیاباں وصحراء میں راستوں کی رہنمائی ملتی ہے اور علماء ومعززین سے دینی ودنیوی مسائل میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے) اور اس لئے بھی کہ معززین کا مرتبہ عام لوگوں سے اونچا اور بلند ہوتا ہے جس طرح کہ ستارے بلندی پر ہیں۔

بارش کی تعبیر رحمت، علم، قرآن، حکمت اور لوگوں کے اصلاحِ حال سے کی جاتی ہے۔

خون نکلنے کی تعبیر مال کے نکلنے سے کی جاتی ہے کہ ان دونوں ہی پر زندگی کا دار مدار ہے۔

لوہے اور ہتھیار کی تعبیر قوت و نصرت سے کی جاتی ہے کہ جس درجہ کا ہتھیار دیکھا گیا اسی مناسبت سے قوت و نصرت ہوگی۔

خوشبو کی تعبیر اچھی تعریف اور اچھے قول و عمل اور اس کے برعکس بدبو کی تعبیر مذمت اور برے قول و عمل سے کی جاتی ہے۔ میزان (ترازو) کی تعبیر عدل و انصاف سے اور ٹڈی کی بڑی فوج اور لشکر سے، شہد کی مکھی کی ایسے شخص سے جو مالِ طیب کے کھانے اور عملِ صالح کا پابند ہو، مرغ کی بلند ہمت و بلند آواز سے، سانپ کی دشمن یا بدعتی سے جو اپنے زہر سے خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے، کیڑے مکوڑوں کی کمینوں سے، چھچھوندر کی ایسے اندھے شخص سے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہو، بھیڑیئے کی ظالم و غاصب اور فاجر و غدار سے، لومڑی کی مکار و خائن اور حیلہ باز و فریبی سے، کتے کی ایسے دشمن سے جو کمزور ہو اور بہت زیادہ شور و شغب اور گالی گلوچ کرنے والا ہو، یا ایسے بدعتی سے جو اپنی خواہشات کے تابع ہو اور اس کو دین پر ترجیح دیتا ہو، بلی کی ایسے خادم یا غلام سے جو گھر کے ہر فرد کے پاس جاتا ہو، چوہے کی بدکار فاسقہ و فاجرہ عورت سے، شیر کی زبردست غالب شخص سے اور مینڈھے کی تعبیر ایسے شخص سے کی جاتی ہے جو قوی و غالب ہو جس پر کوئی غلبہ نہ پا سکے اور لوگ اس کی بات بھی مانتے ہوں۔

خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں ایک ضابطہ یہ ہے کہ انسان خواب میں اگر ایسے برتن کو دیکھتا ہے جو پانی کے لئے استعمال میں آسکتا ہو تو اس کی تعبیر سامان سے اور اگر مال رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہو جیسے صندوق تھیلی، بٹوہ وغیرہ تو اس کی تعبیر دل سے کی جائے گی، اگر کوئی ایسی چیز دیکھی جو ایک دوسرے میں مخلوط اور گھلی ملی ہو تو اس کی تعبیر شرکت و تعاون یا نکاح ہوگی، اسی طرح اوپر سے نیچے کی طرف گرنا مذموم و برا سمجھا جائے گا جب کہ اوپر کی طرف چڑھنا اگر حدود کے اندر ہو تو اچھا اور محمود تصور کیا جائے گا، آگ اگر کسی چیز کو جلا دے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس کے ختم یا دور ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی، کوئی ایسا برتن ٹوٹ گیا جس کی مرمت نہیں ہو سکتی

ہو یا کوئی چیز اچک لی گئی یا چوری ہوگئی اور چور اُچکے کا پتہ نہیں چل سکا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ چیز ضائع ہوگئی، واپس نہیں مل سکتی اور اگر چور اُچکا نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا یا اس کا پتہ چل گیا تو اس کے مل جانے کی توقع کی جاسکتی ہے، اعضاء جسمانی جیسے ہاتھ، پاؤں، زبان، داڑھی، قد وقامت وغیرہ میں سے کسی عضو میں ایسا اضافہ جو قابلِ تعریف ہو خیر کی علامت ہے اور اگر یہ اضافہ اپنے حد سے بڑھ جائے تو پھر مذموم اور شر وفضیحت کی علامت سمجھنا چاہئے، جسم کا کوئی لباس اگر اپنے خاص مقام کی بجائے دوسری جگہ نظر آئے جیسے عمامہ پاؤں میں، موزہ سر پر اور ہار پنڈلی میں وغیرہ تو یہ کراہت وناپسندیدگی کی علامت ہے۔ اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی کو قاضی یا جانشیں یا وزیر بنا رہا ہے یا کسی کام کا حکم دے رہا ہے یا تقریر کر رہا ہے اور یہ سب اس کے مناسب حال نہیں ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دنیا میں اسے آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور اس کی بُری شہرت اور ذلت ورسوائی ہوگی۔ ناپسندیدہ لباس کا خواب میں دیکھنا بھی مذموم ہی ہے البتہ اگر وہ پُرانا ہے تو نیا دیکھنے کے مقابلہ میں کم قابلِ مذمت ہے۔ اخروٹ دیکھنا خزانہ ہاتھ لگنے کی علامت ہے ہاں اگر اخروٹ پھٹ گیا تو بری علامت ہوگی، اگر کسی نے دیکھا کہ اس کے بال وپر لگ گئے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کو مال ملے گا اور اگر اس نے دیکھا کہ بال وپر لگ گئے اور وہ اڑ گیا تو یہ اس کے سفر کرنے کی علامت ہوگی۔ مریض کا اپنے گھر سے خاموش نکلنا اس کی موت کی دلیل ہے اور بات کرتے ہوئے نکلنا صحتیابی کی۔ تنگ دروازوں سے نکلنا مصیبت سے نجات وسلامتی اور توبہ کی توفیق ملنے کی علامت ہے خاص طور پر جب کہ یہ نکلنا وسیع وعریض فضا کی طرف ہو، سفر یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا دراصل ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی علامت ہے اسی کیفیت وحیثیت کے ساتھ جو ان دونوں جگہوں کی ہوگی (یعنی اگر اس نے دیکھا کہ وہ اچھی جگہ سے بری جگہ منتقل ہوگیا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اچھی حالت سے بری حالت میں بدل جائے گا وغیرہ) اگر کوئی شخص

خواب میں اپنی اس حالت کی طرف لوٹ رہا ہے جس حالت میں وہ عالم بیداری میں رہ چکا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ خیر یا شر جو اس سے رخصت ہو چکا تھا وہ اس کی طرف دوبارہ واپس ہو رہا ہے، اگر کسی نے دیکھا کہ اسے موت آ گئی ہے تو ممکن ہے کہ یہ علامت اس بات کی ہو کہ اسے توبہ اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق مل جائے گی اس لئے کہ موت اللہ کی طرف واپسی ہی کا نام ہے، ارشاد باری ہے :

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ . پھر وہ سب لوٹائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔ (الانعام : ۶۲)

گروی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ وہ قرض میں پھنسے گا یا اس پر اللہ کا یا خود اس کے غلام کا حق ثابت ہوگا، اسی طرح مریض کا اپنے گھر والوں کو الوداع کہنا یا گھر والوں کا مریض کو الوداع کہنا اس کی موت کی علامت ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ خواب کی تعبیر جاننے کے لئے قرآن کریم کے اندر بیان کردہ مثالیں اصول وقواعد کا درجہ رکھتی ہیں بشرطیکہ ان سے اچھی طرح استدلال کیا جائے چنانچہ جس شخص کو قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل ہو وہ خواب کی اچھی تعبیر بیان کر سکتا ہے اس لئے کہ صحیح تعبیر کے اصول قرآن کریم ہی سے ماخوذ ہیں جیسے کہ کسی شخص نے کشتی دیکھی تو اس کی تعبیر نجات سے کی جائے گی، اس آیتِ کریمہ کے پیشِ نظر کہ

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ (العنکبوت: ۱۵) پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو بچالیا۔

اور اس کی تعبیر تجارت سے بھی کی جاسکتی ہے، اسی طرح لکڑی کی منافقین سے، پتھر کی دل کی سختی سے، انڈے اور لباس کی عورتوں سے، پانی پینے کی فتنہ سے، آدمی کے گوشت کھانے کی غیبت سے، کنجیوں کی کسب معاش، خزانے اور مال سے، فتح کی کبھی دعا قبول ہونے اور کبھی مدد حاصل ہونے سے، اگر کسی ایسی جگہ بادشاہ کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا جائے جہاں عام طور پر بادشاہ نہیں آتا تو یہ فساد اور اس جگہ کے لوگوں کے لئے ذلت ورسوائی سے دوچار ہونے کا اشارہ ہوگا۔ رسی کی تعبیر عہد، حق اور بازو سے، نیند

کی امن سے، لہسن، پیاز اور دال وغیرہ کی اچھی چیز کے بدلہ میں معمولی چیز لینے سے، چاہے اس کا تعلق مال سے ہو یا رزق، علم، بیوی یا گھر سے ہو۔ بیماری کی نفاق، شک اور حبِّ ریا سے، شیر خوار بچہ کی دشمن سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص:۸)

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں۔

اسی طرح نکاح کی تعبیر تعمیر سے اور راکھ کی عمل کے باطل ہونے سے کی جائے گی کہ اللہ رب العزت نے فرمایا :

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراهيم :۱۸)

جو لوگ اپنے پرور دگار کے ساتھ کفر کرتے رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے اڑا لے جائے۔

روشنی کی ہدایت سے اور تاریکی کی گمراہی سے تعبیر کی جاتی ہے چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حابس بن سعد الطائی کو قاضی بنایا تو انہوں نے عرض کیا، امیر المومنین! میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند لڑ رہے ہیں اور ستارے ان دونوں کے درمیان آدھے آدھے بٹے ہوئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا تم کس کی طرف تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سورج کے مقابلہ میں چاند کی طرف تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایک ایسی اللہ کی نشانی کے ساتھ تھے جو مٹا دیجائے گی، جاؤ تم میرا کوئی کام نہیں کر سکو گے اور تمہارا قتل کسی مشتبہ معاملہ میں ہوگا چنانچہ جنگ صفین میں شہید کر دیئے گئے۔

کسی نے حضرت عابر سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سورج اور چاند دونوں میرے پیٹ میں گھس گئے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ تم جلد ہی مر جاؤ گے اور قرآن کریم کی اِس آیت سے استدلال کیا:

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ○ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ، يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ

(القيامة :۷ تا ۱۰)

سو جس روز آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ایک حالت کے کر دیئے جائیں گے اس روز انسان کہے گا اب کدھر بھاگوں۔

ایک شخص نے ابن سیرین سے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے ساتھ چار چپاتیاں دیکھیں اتنے میں سورج طلوع ہو گیا، انہوں نے فرمایا کہ تم چار دن کے اندر مر جاؤ گے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلاً، ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا.

(الفرقان : ۴۵.۴۶)

پھر ہم نے آفتاب کو اس پر ایک علامت مقرر کر دیا، پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

اِس تعبیر میں انہوں نے چار چپاتی کو چار دن پر محمول کیا، ابن سیرین ہی سے ایک دوسرے شخص نے کہا کہ میں نے خواب میں دیمک بھری ہوئی ایک تھیلی دیکھی ہے، اس کے جواب میں بھی فرمایا کہ تم جلد ہی مر جاؤ گے، اور یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ.

(سبا:۱۴)

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے انکی موت کا پتہ نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے۔

اسی طرح کھجور کا درخت مسلمان اور کلمہ طیبہ کی علامت ہے اور اس کے برعکس ''اندرائن'' کا درخت کافر و کلمہ خبیثہ کی، بت کی تعبیر ایسے بداخلاق غلام سے کی جاتی ہے جس سے کسی طرح کے فائدہ کی توقع نہ ہو، اور باغ کی تعبیر عمل سے کی جاتی ہے اور اگر وہ باغ جل جائے تو عمل کے رائیگاں ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے، اور اگر کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ کاتتے ہوئے سوت کو یا کپڑے کو ابھار رہا ہے تا کہ دوبارہ کاتے اور بنے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ عہد شکنی کرے

گا، سیدھے راستہ پر چلتے رہنا صراط مستقیم پر استقامت کی علامت ہے، اور شارع عام سے نکلنے والی پگڈنڈیوں کو اختیار کر لینا راہِ حق سے گریز و محرومی کی نشانی ہے، اور اگر دو راستے دونوں طرف دائیں اور بائیں سامنے آجائیں تو ان میں سے کسی ایک پر ہو لینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسی کا اہل ہے۔ یعنی دایاں راستہ اختیار کرنا نیکوکار ہونے اور ''اصحاب الیمین'' میں سے ہونے کی پہچان ہے اور بایاں راستہ اختیار کرنا برے لوگوں میں ہونے اور ''اصحاب الشمال'' میں ہونے کی علامت ہے۔ انسان کے ستر عورت کا کھلنا گناہ کے ارتکاب اور رسوائی کی علامت ہے، کسی چیز سے بھاگنا اور فرار اختیار کرنا نجات و کامیابی کی دلیل ہے، پانی میں ڈوب جانا دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اشارہ ہے۔ آسمان و زمین کے درمیان لٹکا ہوا دیکھنا کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی علامت ہے اور اگر وہ رسی ٹوٹ گئی تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ کتاب وسنت کو مضبوط تھامے ہوئے تھا اب الگ ہو گیا، ہاں اگر وہ شخص والی وحاکم ہو تو پھر یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ قتل کیا جائے گا یا جلد ہی مر جائے گا۔

پس خواب دراصل تمثیل ہے، اللہ رب العزت کی طرف سے مامور فرشتہ ان مثالوں کو خواب میں پیش کرتا ہے تاکہ دیکھنے والا ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے دوسری چیزوں کو انہیں پر قیاس کر لے اور انہیں کے مماثل چیزوں کی تعبیر اخذ کر سکے، جیسا کہ شرعی احکام میں ہم ایک چیز کو اسی کے مثل دوسری چیز پر ''قیاس'' کرتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر لگاتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو پھر بہت سی چیزوں کے احکام بیان کرنے میں دشواری پیش آجائے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات پر بندوں کے فائدہ کے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں اور ان کے سننے، ان میں غور و فکر کرنے، ان کو سمجھنے اور ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرنے کا حکم دیا ہے اور ان مثالوں کے بیان کرنے کا بھی یہی مقصد ہے۔

چنانچہ شرعی احکام جتنے بھی ہیں ان سبھوں میں یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے کہ ایک حکم جو کسی خاص علت کی بنیاد پر لگایا گیا ہو اگر وہی علت دوسری چیز میں بھی پائی جارہی ہو تو وہی حکم

اس پر بھی لگایا جائے گا، شریعت اسلامی میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک علت کی بنا پر ایک چیز کو تو حرام قرار دے دیا جائے اور ٹھیک اسی علت کے باوجود دوسری چیز کو مباح وجائز قرار دیا جائے، شریعت میں ایسے تضاد کا پایا جانا ممکن نہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس بات کو واجب قرار دیا ہے اس کو کسی حیلہ کے ذریعہ ساقط کر دیا جائے یا جو بات حرام ہے کسی حیلہ کے ذریعہ وہ حلال کر لی جائے۔(۱)

اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے
یاں سودا دست بدستی ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی سرشت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ دو باہم ملتی جلتی یکساں چیزوں کے حکم میں بھی یکسانیت برتیں، اور جب دو چیزیں مختلف اور ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہوں تو ان دونوں پر ایک اور یکساں حکم نہ لگائیں، اور یہی عقل وشعور اور عدل وانصاف کا بھی تقاضا ہے، اسی لئے نیکی یا بدی کا بدلہ خود اسی طرح کی چیز سے دیا جائے گا، جس نے کسی مسلمان کی ستاری کی تو اللہ رب العزت اس کی ستاری فرمائے گا، جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا، جو کسی مسلمان سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور کرے گا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور فرمائے گا، جو کسی نادم وپشیمان کے کئے ہوئے معاملہ کی واپسی کو قبول کرلے گا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کی لغزشوں سے درگذر فرمائے گا، جو کسی کی عزت کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ بھی اس کی عزت کے درپے ہو جائیں گے۔ جو کسی مسلمان کو نقصان پہونچائے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کو نقصان سے دوچار فرمائیں گے، جو

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۹۰تا۱۹۶

دشمنی کرے گا اللہ رب العزت اس سے دشمنی اختیار فرمائیں گے، جو کسی مسلمان کی مدد ایسی جگہ چھوڑ دے گا جہاں اسے مدد کی ضرورت تھی تو اللہ رب العزت بھی اس کی اس جگہ مدد چھوڑ دیں گے جہاں وہ سب سے زیادہ مدد کا ضرورتمند ہوگا، جو شہرت اور دکھاوے کے لئے کام کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کی مکاری کو مشہور وعیاں کر دیں گے، رحم کرنے والوں پر خدائے رحمان بھی رحم فرمائیں گے کہ رحمدل بندوں کے ساتھ رحم کا معاملہ ہی سنت اللہ ہے، اسی طرح جو کوئی خرچ کرتا ہے تو اس پر بھی خرچ کیا جاتا ہے اور جو بخل کرتا ہے تو اس سے بھی نعمتیں روک دی جاتی ہیں، جو اپنے حقوق کو معاف کر دیگا اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنے حقوق کو معاف فرمادیں گے، جو لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرے گا اللہ رب العزت بھی اس کی لغزشوں سے درگذر فرمائیں گے جو لوگوں کی لغزشوں پر نگاہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں پر نگاہ رکھیں گے ــــــ یہی اللہ کی شریعت اور سزا و جزاء کا اصول ہے کہ کسی عمل پر اسی جیسا نتیجہ واثر مرتب ہو۔(۱)

☆☆☆

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۹۶

قرآن کریم کی بیان کردہ مثالیں

دنیا کی مثالیں

دنیاوی زندگی دراصل حیاتِ انسانی کا پہلا گھر ہے لیکن اس کی حیثیت آزمائش و امتحان گاہ اور آخرت کے لئے گزرگاہ کی ہے جو شخص اس میں کامیاب ہو گیا اور اس کی طلب میں اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑ بھاگ نہیں کی وہ آخرت میں خوش قسمت اور جنت کا مستحق ہوگا۔ اور جس کو دنیا نے اپنے فتنوں، لذتوں اور حسن و آرائش کی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے اس کے دھوکے سے احتیاط کئے بغیر خواہشات کے پیچھے اس کی طلب میں دوڑ بھاگ کرتا رہا اور دوسروں سے نصیحت حاصل نہیں کی وہ بدقسمت اور آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا، چونکہ انسان کے سامنے اس عارضی گھر کی اہمیت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مثالوں سے واضح فرمایا، ارشاد باری ہے :

اِعْلَمُوْا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ وَزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ وَ مَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِ

خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض ایک کھیل کود اور ظاہری خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلانا ہے گویا کہ مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے، سو تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں عذاب

شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی، اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے۔ (الحدید: ۲۰)

دنیا اپنے ماننے، چاہنے اور محبت کرنے والوں کے نزدیک بہت ہی بڑی چیز ہے اسی وجہ سے لوگ اس کو حاصل کرنے اور اپنانے کے لئے پوری طاقت صرف کر دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانیکی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن یہ دنیا متاعِ فانی اور خانۂ ناپائیدار ہے، دن و رات کی گردش اور زمانہ و وقت کی رفتار اس کو ہر ساعت دفن کرتی اور مٹاتی چلی جارہی ہے۔

طاقت و قوت کو بھی اس دنیا میں دوام نہیں ہے کتنے ہی ظالم و جابر اور لاؤ لشکر والے بادشاہ آئے، زمین نے انہیں اپنے اندر سمولیا اور وہ اب قصہ پارینہ بن کر رہ گئے، صرف ہم اتنا ہی سنتے ہیں کہ انہوں نے حکومت کی اور نیست و نابود ہو گئے، کوئی جوان ایسا نہیں ملے گا کہ جس کی جوانی ہمیشہ ایک ہی حال میں باقی رہے بلکہ یا تو وہ عین جوانی میں مرجاتا ہے اور مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے یا پھر اس کی جوانی کی تر و تازگی، چستی، اور علم و فہم بڑھاپے کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے، جو دت طبع سے محروم ہو جاتا ہے، نئی بات پیدا کرنے کا مزاج اور ایجادی مذاق ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ خود تخلیق انسانی کے مراحل دنیا کے زوال اور اس کی فنا کی زندہ مثالیں ہیں، انسان بچپن میں کمزور ہوتا ہے جوانی میں طاقتور ہو جاتا اور پھر بڑھاپے اور کبرسنی میں اسی کمزوری کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (الروم: ۵۴)

اور وہی اللہ ہے جس نے تم کو (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانی کے بعد ناتوانائی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے

پیدا کرتا ہے وہ خوب جاننے والا ہے
قدرت رکھنے والا ہے۔

اسی طرح سے دنیا کے حالات بدلتے اور متغیر ہوتے رہتے ہیں شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے صحیح کہا ہے ع

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

چنانچہ یہ کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی بلکہ بذاتِ خود یہ دنیا بھی زوال پذیر اور فانی ہے اور جتنی بھی چیزیں دنیا میں ہیں ان سب کے زوال وفنا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہاڑوں کے ختم اور نیست ونابود ہونے کے بارے میں فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَاتَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا.	اور آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار بالکل ان کو اڑا دے گا پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑے رکھے گا کہ اس میں تو نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی۔
(طه: ۱۰۵/۱۰۷)	

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے اس دنیا کی حقیقت واضح کردی کہ یہ دنیا کھیل، تماشے، زیب وزینت اور مال واولاد کی کثرت، فخر ومباہات کے علاوہ کچھ نہیں، اور یہی حالت ان دنیا داروں کی ہوتی ہے جو نہ اللہ کی حقیقی معرفت رکھتے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں بلکہ ان کے سامنے صرف دنیا کا حصول ہوتا ہے چاہے جس طریقہ سے بھی ہو، لیکن یہ دنیا طلبی ان کے لئے بے فائدہ ہے کہ یہی آخرت میں شقاوت وبدبختی کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا:

كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ	گویا کہ مینھ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر

حُطَامًا. (الحدید : ۲۰) خشک ہوجاتی ہے پھر چوراچورا ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال دی کہ جیسے آسمان سے بارش ہوئی اور اچھے خوشنما پودے نکلے یہ اتنے خوشنما تھے کہ کافر کسان خوش ہونے لگے، یہ پودے اپنی سرسبزی و شادابی اور خوشنمائی ہی پر تھے کہ ہوا چلی اور وہ ہوا کے ساتھ تیزی سے جھومنے لگے پھر وہ زرد اور خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہوگئے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکھف: ۴۵)	اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ ہوا اسے اڑائے پھرے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو باقاعدہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کردیں، چنانچہ فرمایا

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. (الکھف: ۴۵)	کہ ان کے لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کردیجئے۔

یہاں دنیا کی لذتوں اور آرائشوں کی طلب میں عمر کھپانے والوں کے لئے دنیا کے جلد فنا و ختم ہوجانے کی مثال دی گئی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ زمین پر پانی برساتا ہے جس سے زمین کے پیڑ پودے اپنی غذائیت حاصل کرتے ہیں اور پھلنے پھولنے لگتے ہیں اس پر کلی پھول نکل آتے ہیں، انسان اور چوپائے زمین کے ان نباتات سے لطف اندوز ہوتے ہیں، پھر اس سب کے بعد وہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں اور ہوا اسے منتشر کرکے ادھر ادھر اڑائے پھرتی رہتی ہے۔

پودوں کے جلد سوکھ اور جل کر ختم ہو جانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے ثباتی کی مثال اور اس کو اہل عقل و دانش کے لئے مایۂ عبرت قرار دیا ہے :

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ.

(یونس : ۲۴)

بس دنیا کی زندگی کا حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کے پودے گنجان ہو کر نکلے جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہونچ گئی اور خوب پر رونق ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا حکم اس پر اچانک رات یا دن کو آپڑا سو ہم نے اسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی نہ تھے، ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے، زمین اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور ہر طرح کے خوشنما پودے اگاتی ہے، اس وقت زمین ہر طرف سبزہ زار و شاداب اور انسان و چوپایوں کے قابلِ استعمال پودوں سے ہری بھری نظر آنے لگتی ہے۔ اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا ہے:

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ

(الحج: ۵)

پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوشنما پودے اگاتی ہے۔

اور جب کھیت والے خیال کرتے ہیں کہ ان کی محنت کا پھل مکمل تیار ہو چکا ہے

اوراب وہ اسے کاٹا ہی چاہتے ہیں، وہ اس خوشنما منظر کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ زمین نے گویا سرسبزی وشادابی کا لباس پہن لیا ہے تو اچانک رات ودن کے کسی حصہ میں اللہ کی طرف سے وہ کھیتی کسی آفت کا شکار ہو جاتی ہے اور اس طرح سوکھ اور جل کر نیست ونابود ہو جاتی ہے کہ گویا یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

یہی مثال اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی شادابی کی دی ہے کہ وہ بھی بہت ہی جلد تیزی کے ساتھ فنا کا شکار ہو جاتی ہے اور یہ دنیا کسی کے لئے ہمیشہ نہیں رہتی، بس اس کی مثال زمین کے ان پودوں کی ہے جو آج بہت خوشنما اور خوش منظر معلوم ہوتے ہیں، لیکن کل تمہیں کچھ کٹی اور سوکھی ہوئی کھیتی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اس لئے اس دنیوی زندگی سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔

تیزی کے ساتھ فنا ہونے والی دنیا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ

(الزمر: ۲۱)

کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اسے زمین کے سوتوں میں داخل کر دیا، پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونۂ قدرت) میں بڑی نصیحت ہے اہلِ عقل کے لئے۔

اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے، اس کو زمین میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے اس کے چشمے اور نہریں جاری کر دیتا ہے، پھر اس کے ذریعہ انواع واقسام

کے مختلف شکلوں اور رنگوں کی کھیتیاں تیار کرتا ہے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی کھیتی اور پھل و پھول کے ساتھ سنور کر خوشنما معلوم ہونے لگتی ہے تو پھر اس پر زردی چھانے لگتی ہے اور وہ سوکھ کر کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا . (الزمر : ۲۱)

پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے، سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔

یہ دنیا کے جلد ختم ہو جانے اور اس کے عیش و سامان کے فنا ہو جانے کی مثال ہے اس دنیا کا نہ تو کوئی دوست ہے اور نہ ہی اس کا کسی سے عہد و پیمان، خوش قسمت وہ ہے جس نے اس کی حقیقت کو پہچانا، اور دنیا کی چند روزہ زندگی اللہ کی خوشنودی میں بسر کی، ایسے نیک اعمال کئے جو رب کریم کی بارگاہ میں حاضری کے وقت اس کے لئے فلاح و کامیابی کا باعث بنیں، اور دنیا میں آخرت کے حصہ کو فراموش نہیں کیا، لیکن جو اس کی لذتوں کا طلب گار رہا اور اس کے حسن و آرائش کے حصول ہی میں دل و دماغ لگائے رکھا، اسے خوب خوب حاصل کیا اس کی وجہ سے محبت و دوستی اور عداوت و دشمنی کی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک وقت ان سبھوں کو دوسروں کے لئے چھوڑ جائے گا، خود اس سے جدا ہو جائے گا، پھر اس وقت نہ قوت و طاقت کام آئے گی، نہ دوست و احباب اور اہلِ خانہ و قرابت دار کام آئیں گے، جس وقت موت آئے گی وہ یکا و تنہا ہر ساز و سامان سے دور الگ تھلگ ہوگا، یہی دنیا کے جلد ختم اور فنا ہو جانے کی مثال ہے۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کو خط لکھا:

"یہ دنیا مسافر خانہ ہے، یہ کوئی جائے قیام نہیں، حضرت آدم علیہ السلام بطور سزا یہاں بھیجے گئے، اے امیر المومنین آپ اس سے بچ کر رہئے، اس کو چھوڑ دینا ہی زادِ راہ ہے اور اس میں فقر ہی تونگری ہے، کوئی نہ کوئی

ہر وقت اس کے تیر کا شکار ہوتا رہتا ہے، جو اس کی عزت کرتا ہے اسے یہ ذلیل کرتی ہے اور جو اس کو جمع کرنے کے درپے رہتا ہے اسے قلاش بنا دیتی ہے، یہ ایک زہر ہے جسے انجان آدمی کھا لیتا ہے اور اپنی موت مر جاتا ہے، آپ اس دنیا میں اس شخص کا طریقہ اختیار کیجئے جو اپنے زخم کا علاج کرتا ہوا دیر تک رہنے والی تکلیف کے ڈر سے تھوڑی دیر کی تکلیف برداشت کر لیتا ہے اور بڑی بیماری کے ڈر سے دوا کی تلخی کو گوارا کر لیتا ہے، اور اس دھوکہ باز، فریبی، اور چالباز دنیا سے ہوشیار و چوکنا رہئے جو اپنے دھوکہ و فریب میں پھانسنے کے لئے طرح طرح کے اسباب زیبائش اور سامان آرائش سے آراستہ ہو کر اپنے چاہنے والوں کو لبھاتی ہے، اس کی مثال ایسی جاذب نظر دلہن کی سی ہے جسے آنکھیں دیکھتی ہیں اور جس پر دل و جان قربان ہوتے ہیں حالانکہ وہ اپنے تمام چاہنے والوں کے لئے مہلک و قاتل ثابت ہوتی ہے۔ اس کے چاہنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو اسے پانے میں کامیاب ہو گئے اور دھوکہ کھا کر سرکشی پر اتر آئے اور وہ ان کی عقل پر اس طرح چھا گئی کہ وہ آخرت کو بھی بھول بیٹھے یہاں تک کہ جب اس کا شکار ہو کر ان کے قدم پھسل گئے تو بالآخر ندامت و حسرت ان کے حصہ میں آئی اور موت کے وقت، موت کی مدہوشی و تکلیف اور دنیا چھوٹنے کی حسرتیں دونوں نے ایک ساتھ ان کو اپنی آغوش میں لے لیا ـــــ اس کے بہت سے چاہنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو انہوں نے اس کے غم میں زندگی گزار دی اور اس کی حسرت ساتھ لے گئے۔ انہیں اپنی چاہت بھی نصیب نہیں ہوئی اور جسم کو دنیا طلبی کی مشقتوں سے آرام بھی میسر نہیں ہوا، پس توشۂ آخرت کے بغیر وہ دنیا سے چل بسے، اور ایسی جگہ پہونچ گئے

جہاں کے لئے انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا، آپ سب سے زیادہ خوشحالی کے وقت سب سے زیادہ اس سے چوکنا اور ہوشیار رہیں اس لئے کہ دنیادار جب بھی اس سے مطمئن ہوکر کسی خوشی سے لطف اندوز ہوتا ہے تو اسی وقت وہ اس کو کسی نہ کسی مصیبت کا شکار بنا دیتی ہے، اس دنیا کی خوشحالی مصیبت سے اور بقا فنا سے جڑی ہوئی ہے، اس کی خوشیاں غم آمیز، اس کی آرزوئیں جھوٹی، اس کی امیدیں فریب، اس کی ظاہری خوش رنگی میں بدرنگی اور اس کی راحت میں کلفت چھپی ہوئی ہے۔ اگر ہمارے پروردگار نے اس سے باخبر نہ کیا ہوتا اور اس کی مثالیں نہ بیان کی ہوتیں تب بھی وہ سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے کافی تھی، اور اب ذمہ داری کس قدر شدید ہے جب کہ خود اللہ رب العزت کی طرف سے ہر طرح کی نصیحت وعبرت اور تنبیہ آچکی ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اللہ نے پیدا کرنے کے بعد اس کی طرف نگاہ تک نہیں کی، ہمارے نبی ﷺ پر اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ بے کم و کاست پیش کی گئی مگر آپ ﷺ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا، آپ ﷺ نے ایسی چیز کو پسند کرنا گوارا نہیں فرمایا جس کو خود خالق نے ناپسند کیا ہو، اور ایسی چیز کو بلندی عطا نہیں کی جس کو خود مالک نے پست کیا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نیک بندوں سے قصداً ہٹا لیا اور اپنے دشمنوں کے لئے عام کر دیا تاکہ وہ دھوکہ کھاتے رہیں، فریب خوردہ لوگ جن کو دنیا کا حصہ دیا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ ان پر انعام کیا گیا ہے، اور اس کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیارے رسول ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا کہ انہیں اپنے پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑا۔''

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری

دنیاوی زندگی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی انواع واقسام کی بے شمار ولا تعداد نعمتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق اور انسانوں اپنے فرمانبرداروں اور نافرمانوں اور ہدایت یافتہ اور گمراہوں کو بلاتفریق وامتیاز یکساں طور پر نوازا ہے۔

یہ دنیا کی زندگی اور اس کی رونق وزینت تمام کی تمام دھوکہ کی ٹٹی ہے اس سے وہی دھوکہ کھاتا ہے جس کو اپنے رب کے حضور حاضری کا یقین اور اس کے وعدہ پر ایمان نہ ہو، اور ایسے ہی لوگوں کے لئے یہ آراستہ بھی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا (البقرة : ۲۱۲)	خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو کافر ہیں۔
وَمَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران : ۱۸۵)	اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز ایک دھوکے کے سودے کے۔

یہ دنیاوی زندگی آخرت کی معمولی سے معمولی چیز کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی ہے، دنیا وآخرت کے درمیان بہت ہی عظیم اور لامحدود فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ، وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلاً . (النساء: ۷۷)	آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لئے کہیں بہتر ہے، جو تقویٰ (اختیار) کرے، اور تم پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

دنیاوی زندگی کھیل تماشے اور فخر ومباہات کی جگہ ہے، انسان کو اس میں عمر تھوڑی ملی ہے، اور ہر دن اس دنیا کے تیر کا کوئی نہ کوئی شکار ہو جاتا ہے، اس دنیا کا نہ تو کوئی دوست ہے اور نہ کوئی محبوب آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیش کی زندگی ہے جس کی کوئی انتہا

نہیں اور نہ ہی اس کا فنا و زوال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَ لَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ . (العنکبوت: ۶۴)

اور یہ دنیوی زندگی بجز کھیل تماشہ کے کچھ ہے ہی نہیں ، اور عالم آخرت ہی اصل زندگی ہے کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا۔

دنیا و آخرت کی زندگی میں کوئی جوڑ نہ ہونے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے کمتر ہونے کی مثال دیتے ہوئے رسول ﷺ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ هٰذِهٖ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ.

(مسلم ، کتاب الجنة وصفة نعيمها باب فناء الدنيا، ترمذی کتاب الزهد)

اللہ کی قسم ! آخرت کے مقابلہ میں دنیا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی اس انگلی (یعنی شہادت کی انگلی) کو ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس کے ساتھ لگا ہوا آیا۔

یہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے کمتر ہونے کی مثال ہے کہ اس کو انگلی کی اس رطوبت ونمی کے برابر قرار دیا جو پانی میں داخل کر کے نکالنے کے بعد انگلی پر ہوتی ہے، اس کی مقدار ہی کیا ہوتی ہے؟ یہی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال ہے، اور ان لوگوں کے لئے سامان موعظت ہے جو گوش و دل رکھتے ہوں اور نگاہ بصیرت کے مالک ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیاوی زندگی کے فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین

حق و باطل کی مثال

اللہ تعالیٰ نے حق کے ثبات و بقا اور باطل کی فنا اور نیست و نابود ہونے کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ ارشاد باری ہے :

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ

(اسی نے) آسمان سے پانی اتارا، جس

اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ . (الرعد :۱۷)

سے نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے۔ پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا، اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں، زیور یا (اور) اسباب بنانے کی غرض سے اس میں ایسا ہی جھاگ ہے اسی طرح حق و باطل کی اللہ مثال بیان کرتا ہے سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے سو وہ دنیا میں رہ جاتی ہے اللہ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں سب اپنی وسعت کے اعتبار سے بھر گئیں کوئی بڑی ہے تو اس میں زیادہ پانی آیا، اور کوئی چھوٹی ہے تو اس میں اسی کے بقدر پانی آیا، یہ دراصل اشارہ ہے دلوں اور علم کے سلسلہ میں تفاوت کی طرف کہ بعض دل بے پناہ علوم کے حامل ہوتے ہیں اور بعض دل تھوڑے سے علم کے لئے بھی تنگ پڑ جاتے ہیں۔

اس کی مثال پانی کی صورت میں دی گئی کہ پانی جب وادیوں میں بہتا ہے تو اس کے اوپر جھاگ ہوتی ہے وہ جھاگ چونکہ لوگوں کے لئے کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے اس لئے ادھر ادھر منتشر اور جھاڑیوں میں پھنس کر ضائع و برباد ہو جاتی اور ہوا اسے اڑا پھینکتی ہے۔

دوسری مثال: چاندی، سونا، لوہا اور پیتل جیسی چیزوں کو جب آگ میں پگھلایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے لئے فائدہ مند چیز ڈھالی جا سکے تو اس سے بھی میل کچیل نکلتا ہے اور غیر مفید ہونے کی وجہ سے بیکار اور ضائع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی مثال بیان کی کہ جب دونوں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں تو باطل کو قرار و دوام نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ پانی کے جھاگ اور دھات کے میل کی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کے لئے نفع بخش نہیں، چنانچہ اللہ

تعالیٰ حق کے ذریعہ باطل کو نیست و نابود اور فنا و برباد کر دیتا ہے ارشاد باری ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ. (الانبیاء : ۱۸)

ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ دفعۃً مٹ جاتا ہے۔

حق جو اللہ کی جانب سے ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کبھی ختم نہیں ہوتا، اور یہ ہر اس شخص کے لئے جو اس کا طلب گار ہو اور اس کو پسند کرتا ہو نفع بخش ہے، اور زندگی کے تمام شعبوں میں باعثِ خیر اور دنیا و آخرت کی سعادت کا ضامن و رہنما ہے۔

بندۂ مومن کے دل میں نورِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی ایک مثال بیان کی کہ "اللہ نور السموات والارض" اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی شان جلالی سے، اور اپنی صفت عدل کو ظاہر اور احکام کو عام کرنے کے لئے آسمان و زمین کو روشن بنایا تا کہ وہاں رہنے والوں کے لئے حالات موزوں ہو سکیں اور ان کے لئے اللہ عزوجل کی تدبیر مکمل ہو، اللہ ہی کے نور سے آسمان و زمین روشن ہوئے، اور وہاں رہنے والوں کے حالات درست ہوئے۔

آپ ﷺ نے اہلِ طائف کی تکلیفوں کا شکار ہونے کے بعد اپنی دعا میں فرمایا تھا:

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَنْ يَّحِلَّ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِیْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ

میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ . (۱)

ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

اور صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ رات کے قیام یعنی تہجد میں فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ. (۲)

اے اللہ ہر طرح کی تعریف تیرے ہی لئے ہے تو آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان سبھوں کا نور ہے اور تیری ہی تعریف ہے تو آسمان وزمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے تو ہی انکا نگہبان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّاشَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(النور: ۳۵)

اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے، چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے، نور ہی نور ہے، اللہ اپنے اسی نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور لوگوں کے لئے (یہ) مثالیں بیان کرتا

(۲،۱) تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۰۱ رواہ ابن اسحاق فی السیرۃ آیت ''اللہ نور السماوات والارض الخ''

ہےاوراللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

بندۂ مومن کے دل میں اللہ کے نور و ہدایت کی مثال ایک طاق کی سی ہے کہ اس طاق میں چراغ رکھا ہوا ہواور وہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو، شیشہ اتنا صاف وشفاف ہو کہ اس سے خوب صاف روشنی پھوٹ رہی ہو، یہی وہ نور وروشنی ہے جو صاف شیشہ میں چمک رہی ہے، اور وہ شیشہ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان میں روشن چمکدار درخشاں ستارہ۔

یہ چراغ بابرکت زیتون کے درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے، یہ ایسا درخت ہے کہ سورج طلوع سے لے کر غروب تک اس پر اپنی روشنی ڈالتا رہتا ہے، وہ فضا میں بالکل نمایاں رہتا ہے کوئی درخت یا پہاڑ یا کوئی اور چیز اس کے لئے سایہ یا آڑ نہیں بنتی جس کی وجہ سے اس کا تیل بہت ہی صاف وشفاف ہوتا ہے، اور اس کی شفافیت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود بخود بغیر آگ دکھائے اس سے روشنی پھوٹ رہی ہے یہی ''نُورٌ عَلٰی نُوْرٍ'' ہے کہ نور کے اوپر ایک نور یعنی ایک تو آگ کی روشنی ہے اور دوسری روشنی خود تیل کی ہے اور یہ دونوں جب جمع ہو جائیں تو پھر روشنی کا کیا عالم ہوگا، لیکن ساتھ ہی ایک کے بغیر دوسرا روشن نہیں ہوسکتا۔

یہ اللہ کے نور کی مثال ہے بندۂ مؤمن کے دل میں کہ ایک نور ایمان کا اور دوسرا نور قرآن کا، یہ دونوں نور جمع ہو جائیں تو یہ مَثَل ان پر صادق آجائے گی، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کو منتخب کرتا اور مقصود تک رسائی کے لئے اس کی رہنمائی فرما دیتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی خَلَقَ خَلْقَهُ فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهُ مِنْ ذَالِکَ النُّوْرِ اهْتَدٰی وَ مَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ . (۱)	اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور میں سے ایک نور ڈالا، وہ نور جس پر پڑا وہ ہدایت پا گیا اور جس سے دور رہا وہ گمراہ ہوگیا۔

(۱) ترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الأمۃ۔

توحید کی مثالیں

مالداروں کی یہ فطرت نہیں رہی ہے کہ وہ اپنے سے غریب، غلاموں، خادموں اور فقیروں پر اتنا زیادہ داد و دہش کریں کہ وہ ان کے برابر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ .

(النحل: ۷۱ تا ۷۴)

اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے، سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر ہو جائیں، تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں، تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے، اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں سو تم

اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو، بیشک اللہ ہی علم
رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ نے بعض بندوں کو بعض بندوں پر رزق میں فوقیت دی ہے۔ اور مالداروں اور مالکوں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ فقیروں محتاجوں، غلاموں اور باندیوں کو دیا کریں، لیکن اس کے باوجود ان غریبوں پر ان کی داد ودہش اور بخشش وعطا اتنی نہیں ہوتی ہے کہ یہ غریب ان مالداروں کے برابر ہو جائیں۔

مالک اپنے غلام کو چاہے جتنا دے مگر وہ اتنا زیادہ نہیں دے سکتا کہ غلام کو اپنے برابر کر لے، یہی حال مالداروں کا ہے کہ وہ اپنی دولت کا معمولی حصہ ہی کسی غریب کو دیا کرتے ہیں اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (النحل: ۷۱)

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر ہو جائیں، تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے یہ مثال بیان کی کہ ان کے سامنے یہ بات واضح کر دے کہ اے لوگو جب تم اپنے خادموں، غلاموں اور غریبوں کو مال و دولت میں اپنے برابر کرنے پر تیار نہیں ہو تو پھر کیسے تم میرے بندوں کو میرے برابر ٹھہرانے پر تیار ہو جاتے ہو؟ اور ان کو تم میری خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، اور خود اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ یہ کمزور وفقیر تمہارے برابر ہوں، جب کہ وہ بھی تمہاری ہی طرح انسان ہیں اور جو کچھ تم ان پر خرچ کرتے ہو وہ دراصل اللہ ہی کا دیا ہوا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا نائب بنایا، لیکن اس سب کے باوجود تم ان کو اپنے برابر قرار دینے پر تیار نہیں ہو، تو پھر کیسے اللہ جو خالق ورازق ہے اور ان بتوں ومورتیوں کو جو کمزور وبے بس ہیں ایک درجہ میں رکھتے ہو؟۔

ارشاد باری ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.

(النحل :۷۵)

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے کیا ایسے لوگ باہم برابر ہو سکتے ہیں، ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم ہی نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ان مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا جو اللہ کے ساتھ معبودوں کی بھی پرستش کرتے ہیں، حالانکہ تنہا اللہ منعم ورازق اور فضل کرنے والا ہے اور یہ شرکاء و بت زمین و آسمان میں سے معمولی رزق کے بھی نہ تو مالک ہیں اور نہ ہی اس پر قادر، چاہے کتنی ہی کوشش کر ڈالیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل: ۷۴) سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو۔

یعنی اللہ کے شریک وسہیم اور ان کے برابر نہ ٹھہراؤ ''اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' کہ بیشک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔

ایک غلام جو اپنی ذات کو بھی نفع پہونچانے پر قادر نہ ہو چہ جائے کہ دوسروں کو نفع پہونچائے، اور ایک آزاد انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہو، اور خوب مال و دولت عطا کیا ہو، وہ ان مالوں کو خیر و نیکی کے ہر راستہ میں پوشیدہ و علانیہ خرچ کرتا رہتا ہو، تو کیا یہ مالدار، سخی و آزاد انسان اس غلام کے برابر ہوگا جو کسی چیز پر قادر نہ ہو؟ اہلِ عقل اس فرق کا خوب شعور رکھتے ہیں اور اہلِ علم اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ کیا ایسے لوگ باہم برابر ہو سکتے ہیں، ساری

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النحل: ۷۵) تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قادر نہ ہو، یہاں غلام سے مراد معبودان باطل ہیں جن کی اللہ کے مقابلہ میں پرستش کی جاتی ہے اور آزاد خرچ کرنے والے سے بطور مثال اللہ تبارک وتعالیٰ مراد ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۔

چنانچہ جن بتوں کی پرستش کی جاتی ہے وہ نہ تو نفع پہونچا سکتے اور نہ ہی نقصان، اور نہ ہی کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ وہ خود اپنی موت وزیست اور حشر ونشر کے مالک نہیں ہیں، ان کی مثال اللہ نے غلام سے دی جو کسی آقا کے ماتحت ہو جو کبھی کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا، بلکہ اپنے آپ کو بھی نفع نہیں پہونچا سکتا چہ جائے کہ دوسروں کو نفع پہونچائے، ارشاد باری ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (النحل : ۷۵) اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

معبود برحق بس اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات ہے، وہی تنہا خالق وباری ہے، اسی کے ہاتھ میں موت وزندگی ہے، وہی ہر چیز سے نوازنے اور بڑی وچھوٹی نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے، وہی داد ودہش کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اسی کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں، وہی تنہا معبود برحق حمد وثنا کا مستحق ہے اور تنہا تقدیس وتنزیہ کا سزاوار ہے لیکن اکثر لوگ حق سے غافل ہیں، اور انہوں نے جہالت وغباوت کی وجہ سے بہت سے دوسرے معبود بنا ڈالے اور ان کی پرستش کرنے لگے اور ان کو اور معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کو یکساں درجہ دے دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس یکسانیت ومساوات کی نفی کی اور اس کے لئے یہ مثال بیان کی، اور اس کے بارے میں فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کی ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ارشاد باری ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ اور اللہ ایک (اور) مثال بیان کرتا ہے کہ دو شخص ہیں ایک ان میں گونگا ہے کسی چیز پر

كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النحل: ۷۶)

قادر نہیں، اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے اور وہ جہاں اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا، کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستہ پر ہے۔

دو شخص ہیں ان میں ایک بالکل گونگا کچھ بھی بولنے پر قادر نہیں ہے، اپنی ذاتی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اپنا کام کر پاتا ہے، بلکہ وہ اپنے سرپرست و قرابت دار پر بوجھ ہے، ایسے شخص کو جہاں بھی بھیجا جاتا ہے کبھی کوئی کام کر کے نہیں لاتا اس لئے کہ جو کچھ اس سے کہا جاتا ہے اور جس کام کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس کا وہ ادراک کر پاتا ہے، اس کے بالمقابل ایک دوسرا شخص ہے جو صاحب عقل وفہم ہے، عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اس کی باتیں اور اس کے کام برحق ہوتے ہیں وہ راہِ راست اور صحیح دین پر بھی ہے اور پورے اعتدال کے ساتھ سیرتِ صالحہ کا حامل بھی ہے تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟

ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا اور یہی اہل عقل ودانش کا فیصلہ ہے کہ دو اشخاص کے درمیان بنیادی واساسی فرق کے باوجود ان کو ایک درجہ میں رکھنا ممکن نہیں۔

یہ ایک دوسری مثال تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے توحید کی بابت بیان فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اپنے بندوں پر اس درجہ بے حد وحساب ہیں کہ ان کے شمار کرنے سے ماہر ریاضیات بھی عاجز ہیں۔

پہلے شخص کی مثال اس بے روح بت کی ہے جس کے اندر نہ زندگی ہو اور نہ وہ زندگی یا کسی چیز کا مالک، بلکہ ہر چیز سے قاصر وعاجز ہو، چنانچہ وہ معبود باطل جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جاتی ہے اور جس کو آسمان وزمین میں شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ اسی پہلے شخص کی طرح ہے نہ تو وہ خود کو نفع پہونچا سکتا اور نہ کسی دوسرے کو، اور نہ ہی وہ کسی چیز پر قادر ہے۔

معبود برحق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اسی کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے وہ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر چیز پر قادر ہے۔

پس جب کہ لوگ اوپر کی مثال میں ان دونوں شخصوں کی برابری و یکسانیت کو محال و ناممکن قرار دیتے ہیں اور کسی بھی حال میں اسے ممکن نہیں مانتے تو انہیں معبود برحق اور خودساختہ شرکاء کی برابری کو بدرجۂ اولیٰ ناممکن ومحال سمجھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ .(الروم: ۲۸. ۲۹)

(اللہ) تمہارے ہی متعلق ایک مضمون تم سے بیان کرتا ہے کیا تمہارے غلاموں میں کوئی تمہارا شریک ہے اس روزی میں جو ہم نے تم کو دی ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جائیں اور تم ان کا ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ ہم اسی طرح دلائل صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، مگر اس پر بھی ظالموں نے بغیر دلیل کے اپنی خواہشات کا اتباع کر رکھا ہے سو اسے کون راہ پر لاسکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے، اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

ان آیات کریمہ میں اللہ کی وحدانیت و یکتائی، قدرتِ تخلیق اور اعلیٰ و افضل مثال بیان کی گئی ہے، اسی طرح انہیں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنے والے یعنی مشرکین کی مثال بھی بیان کی، اور اس مثال کو خود ان کی ذات سے اخذ کیا

جوان کے حالات کی قریب ترین عکاس ہے، مشرکوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے نوکر چاکر اور غلام و باندی جن کی تم خرید و فروخت کرتے ہو وہ تمہارے مال و متاع میں جو اللہ تعالیٰ کے ہی دیئے ہوئے ہیں برابر ہو جائیں، ہرگز تم اپنے مال میں اتنا صرف نہیں کر سکتے ہو کہ تم ان کو اپنا آزاد شریک و سہیم بنالو، تو جب تم اپنے لئے اس کو پسند نہیں کرتے تو پھر کیسے اللہ یکتا و بے ہمتا کے لئے پسند کر رہے ہو۔

اور جب تم میں سے ہر شخص اس بات سے خائف رہتا ہے کہ اس کا غلام اس کے مالوں کو بانٹ نہ لے، اور وہ اس کو ناپسند کرتا ہے، تو پھر کیسے تم لوگ اللہ کا شریک و ساجھی ٹھہراتے ہو اور پھر ان کی عبادت بھی کرتے ہو اور ان سے ڈرتے بھی ہو، اور تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اللہ کی بادشاہی میں اثر انداز ہوتے ہیں، جب کہ پوری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کا سب تنہا صرف اللہ کی ملکیت ہے اس کا کوئی شریک نہیں، تو کیسے تم ان کا شریک بناتے ہو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل، حجت یا بنیاد ہے، ہرگز نہیں۔ تم نے اس سلسلہ میں اپنی عقل کو بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والے سے بڑھ کر بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟

مشرک کی مثال

شرک عظیم گناہوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے لئے ناپسند فرمایا ہے، مشرک کی مثال دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: ۳۱)	جھکے رہو اللہ کی طرف اس کیساتھ کسی کو شریک نہ کر کے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو جیسے وہ گر پڑا آسمان سے پھر پرندوں نے اسے نوچ

ڈالا، یا اس کو ہوا نے دور دراز جگہ جا پھینکا

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال مشرک کے لئے بیان فرمائی اور اس کی وضاحت کر دی کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا۔ یا اس کے علاوہ کسی کی عبادت کی جب کہ عبادت و بندگی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے، تو اس نے اس معاملہ میں اپنی ضلالت و انکار اور حق سے دوری و انحراف کے باعث اپنے آپ کو ایسی ہلاکت سے دوچار کیا کہ اس سے بڑھ کر اور ہلاکت نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصویر کشی یوں فرمائی کہ گویا وہ آسمان پر تھا اور اس سے زمین پر گر پڑا اور اس کے اس گرنے سے دو صورتیں پیدا ہونگی یا تو اس کو اوپر ہی سے شکاری پرندے چیل و عقاب وغیرہ اچک لیں گے اور اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نگل جائیں گے، یا پھر اسے ہوا اڑا لے جائے گی اور ایسی دور دراز جگہ پر ڈال دے گی جہاں نہ اسے چین ملے گا اور نہ زندگی کی بو تک محسوس ہوگی۔

مشرکوں کی بیان کردہ مثالیں

کفار و مشرکین نے اللہ کی پیدا کردہ چیزیں کھیتی، پھل اور چوپایوں میں اللہ کا حصہ ٹھہرایا ہے، اور انہوں نے اپنی خام خیالی سے یہ تصور قائم کیا ہے کہ یہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے، وہ اپنے اس فعل اور کرتوت میں کھلی گمراہی کے شکار ہیں کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کا شریک و جزء قرار دیا، جب کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے وہی ہر چیز کا پالنہار اور بادشاہ ہے تمام چیزیں اسی کی ہیں اور اس کے تصرف و قدرت اور قبضہ و مشیت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

ان کی مزید گمراہی یہ ہے کہ اللہ کے لئے از خود مقرر کردہ حصوں میں سے بھی چوری کرتے ہیں کہ اگر اللہ کا حصہ بتوں کے حصہ میں مل جائے تو اسے بتوں کے حصوں میں ملا دیتے ہیں اور اگر بتوں کا حصہ اللہ کے حصہ میں مل جائے تو اسے اللہ کے حصہ میں نہیں ملاتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا، فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ، وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الانعام: ۱۳۶)

اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو اللہ ہی نے پیدا کئے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا، اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہونچتا نہیں اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے دیوتاؤں کی طرف پہونچ جاتا کیسی بری ہے ان کی تجویز۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو پھٹکارا، اور اس غلط تقسیم پر ان کی مذمت کی جس میں انہوں نے خود اپنی قائم کی ہوئی تقسیم کے مطابق بھی انصاف سے کام نہیں لیا بلکہ ناانصافی ہی کی، فرمایا:

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم: ۲۲) یہ تو بڑی ہی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔

کفار اپنی گمراہی اور عقیدہ وعقل کی بگاڑ میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے خود اللہ کے بندوں کو اللہ کا جزء قرار دیا، اور اس حصۂ انسانیت کو اللہ کے لئے پسند کیا جس کو وہ زندگی کے میدان میں کمزور اور غیر سودمند سمجھتے تھے بلکہ خود اپنے لئے اس کو باعث عار وذلت تصور کرتے اور اپنی زندگی میں کبھی گوارہ نہیں کرتے تھے یعنی بیٹیاں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل اور غلط عقیدہ پر نکیر فرمائی:

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ. (الزخرف: ۱۶)

(ہاں تو) کیا (اللہ) نے مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے کم تر صنف کو پسند فرمائے اور تم کو خصوصیت کے ساتھ بیٹوں سے نوازے، آگے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلاً ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (الزخرف: ۱۷)

درآں حالیکہ ان لوگوں میں سے خود جب کسی کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے (خدائے) رحمٰن کا نمونہ قرار دے رکھا ہے۔ تو اس کا چہرہ دن بھر اداس رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔

یعنی اگر ان کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو بہت ہی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، اس خبر بد کا اثر ان کے چہرہ پر ظاہر ہونے لگتا ہے اور وہ شرم کے مارے اپنی قوم سے چھپے پھرتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ آیا اس کو ذلت کے ساتھ برداشت کرلیں یا زندہ درگور کردیں۔

یہ خدائے رحمان کے لئے مثال بیان کرنے والوں کی جہالت کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کی قدر و منزلت اس کے علو شان، اس کی بے مثال خالقیت اور علم کی وسعت سے ناواقف و جاہل ہیں ارشاد باری ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر: ٦٧)

اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہئے تھی اور حال یہ کہ ساری زمین اسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہونگے وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی اس کے لئے نظیریں متعین کرے۔ ارشاد ہوا:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل: ۷۴)

سوتم اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو، بیشک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔

کیسے ہیں وہ لوگ کہ خود لڑکیوں کو ناپسند کرتے ہیں، انہیں اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔

غیر اللہ کو دوست بنانے والے

ولایت، محبت، نصرت یہ سب اللہ کے لئے ہیں اور یہی رحمٰن کے حقیقی بندوں کی پہچان ہے، اور کفار و مشرکین کی محبت و چاہت ان کے معبودان باطل کے لئے ہے۔

اَلْوَلَايَةُ: (واؤ کے زبر کے ساتھ) یہ عداوۃ کی ضد ہے ''اَلْوَلَايَةُ فِی اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے نفرت۔

وَلِیٌّ عَدُوٌّ (دشمن) کی ضد ہے یہ ''ولاء'' سے مشتق ہے جس کے معنی قربت و نزدیکی کے ہیں، اللہ کا ولی وہ ہے کہ جس نے اللہ سے اپنا تعلق جوڑا ہو کہ وہ اس کی پسندیدہ چیزوں کو پسند کرتا ہو، اور اس کی مرضیات پر چل کر اس کی خوشنودی و قربت کا طلب گار ہو۔

۱۔ مومنین اللہ کے ولی ہیں: یعنی وہ دنیا میں اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں اور احکام دین پر کما حقہ عمل کرتے ہیں، جن باتوں سے اللہ راضی ہوتا ہے ان کو بہ دل و جان پسند کرتے ہیں، اور جن سے ناراض ہوتا ہے ان کو ناپسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس: ۶۲۔۶۳)

سنو سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے

۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے یعنی اللہ ان سے محبت کرتا ہے ان کی نصرت کرتا

ہے اور ان کو عزت وقوت عطا کرتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ. (المائدۃ:۵۵)	تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرۃ:۲۵۷)	اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے، اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے۔
ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا (محمد: ۱۱)	یہ اسی سبب سے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے۔

۳۔ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں یعنی یہ سب آپس میں دینی بھائی ہیں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے باعثِ تقویت ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ (الانفال: ۷۲)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

شارح طحاویہ(۱) نے لکھا ہے کہ ''یہ ساری آیتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ مومنین آپس

(۱) یہ علامہ صدرالدین محمد بن علاء الدین علی بن محمد بن أبی العز الحنفی الأذرعی الصالحی ہیں، علامہ ابن أبی العز الحنفی سے مشہور ہیں، ۷۳۱ھ میں پیدا ہوئے، ان کا شمار درس وفتاویٰ کے ماہرین میں ہوتا تھا وفات دمشق میں ۷۹۲ھ میں ہوئی، ان کی ''شرح العقیدۃ الطحاویہ'' مشہور ومعروف کتاب ہے،

میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اور یہ سب اللہ کے ولی ہیں اور اللہ ان کا والی و مولیٰ ہے، اللہ اپنے مومن بندوں کا والی ہوتا ہے چنانچہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں وہ ان سے راضی وخوش ہوتا ہے اور وہ اس سے راضی وخوش ہوتے ہیں، اللہ کے ولی سے دشمنی کرنا گویا خود اللہ کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے، نیز اللہ کی ولایت ومحبت مخلوقات کی طرح ضرورت و حاجت اور اغراض پر مبنی نہیں ہے بلکہ خالصۃً اس کا احسان اور اس کی رحمت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَداً وَلَمْ یَکُنْ لَّهُ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا (الاسراء: ۱۱۱)

اور آپ کہئے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے، اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔

اللہ تعالیٰ اس لئے مومنوں کا ولی نہیں ہے کہ وہ کمزور اور محتاج ہے بلکہ غلبہ وعزت تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے برخلاف سلاطین دنیا کے، کہ وہ اپنی کمزوری، مددگاروں اور ناصرین کی ضرورت کی بنا پر کسی سے دوستی ومحبت کا معاملہ رکھتے ہیں"۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو حکم دیا اور ان کے لئے یہ بات واضح کردی کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی نہ بنائیں، کافروں کے سلسلہ میں فرمایا:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (النساء: ۱۴۴)

اے ایمان والو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ

یہود ونصاریٰ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست

(۱) شرح العقیدۃ الطحاویہ ۳۵۸ (المومنون کلہم أولیاء الرحمٰن)

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ . (المائدہ : ۵۱)	ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں (شمار) ہوگا۔

انہی میں شمار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَااتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ . (المائدۃ: ۸۱)	اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اس پر تو وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔

اور یہ اس وجہ سے کہ ''اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ'' کہ مسلمانوں کے مقابلہ تمام اہل کفر ایک ہی راہ پر ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام کفار و مشرکین چاہے جس مذہب کے ماننے والے ہوں وہ سب کے سب دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ عداوت و دشمنی میں متحد اور ایک ہیں اس لئے وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

لوگوں نے جب حق کی پیروی سے انکار کا راستہ اختیار کیا تو وہ گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے دراصل اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی اور اللہ کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنا لیا، جن سے وہ اللہ سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور ان سے اللہ سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں۔ اور جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بناتا ہے وہ دراصل شیطان کو ولی بناتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ (الاعراف:۲۷)	ہم نے تو شیطانوں کو رفیق انہی لوگوں کا بننے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔
اِنَّهُمُ اتَّخَذُوْا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الاعراف:۳۰)	انہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنالیا ہے اللہ کو چھوڑ کر۔

اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت اور تمام اقوام کے لوگوں کو مثالوں کی زبان میں

سمجھا دیا ہے کہ بس وہی ایک معبود برحق ہے اور صرف اسی کی عبادت واجب ہے اس کے علاوہ کسی کی نہیں، اسی کے لئے اس نے رسولوں کو آیات و معجزات دے کر بھیجا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں پر عذاب وعقاب اور اپنا غیظ وغضب بھی نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَ وَاَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا . (الفرقان: ۳۹)

اور ہم نے (اسی طرح ہلاک کیا) عاد اور ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کے درمیان میں بہت سی امتوں کو اور ہم نے ہر ایک کے لئے عجیب عجیب مضامین (مثالیں) بیان کئے اور ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا۔

وَقَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سَابِقِيْنَ، فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ.

(العنکبوت: ۳۹، ۴۰)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (بھی ہم نے ہلاک کیا)، اور موسیٰ (علیہ السلام) یقیناً ان لوگوں کے پاس کھلے نشان لے کر آ چکے تھے، لیکن انہوں نے زمین پر سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے سو ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا، سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدبایا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

اور فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَايَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، وَ تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ.

(العنکبوت : ۴۱، ۴۳)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے اس نے ایک گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے، کاش انہیں اس حقیقت کا علم ہوتا، بیشک اللہ کے سوا جس کسی کو بھی پکارتے رہتے ہیں اللہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس مشرک کی دی ہے جس نے اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو معبود بنایا، اور مشکل وقتوں میں اس سے مدد و غلبہ کی امید رکھتا ہے، وہ اسی کے سامنے فروتنی اختیار کرتا ہے، اسی پر بھروسہ کرتا ہے، اسی سے محبت کرتا ہے اور اسی سے مدد، رزق، قوت و طاقت اور شفا طلب کرتا ہے، اور اسی کی خدمت میں اپنا مال، اپنی طاقت، اپنا وقت اور اپنی زندگی گنواتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے یہ معبود کمزوری و ناتوانی میں مکڑیوں کے جالے کی طرح ہیں اور سب سے زیادہ کمزور مکڑیوں ہی کا جالہ ہوتا ہے کاش یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے، یہ کفار اللہ کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنا کر گویا مکڑیوں کے جالے کو تھام رہے ہیں یہ کمزور و بے ثبات جالے ان کو کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں، اسی طرح ان کے یہ معبود بھی کمزور اور عاجز و حقیر ہیں وہ تو اپنا بھی دفاع نہیں کر سکتے تو ان کی حمایت و نصرت کیونکر کریں گے؟ اور ان کو کیا فائدہ پہونچائیں گے؟ اور ان کی طرف سے کیا دفاع کر سکیں گے؟۔

برخلاف مسلمان، کہ جس نے صرف اللہ کو اپنا ولی بنایا اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا

ولی نہیں بنایا، تو اس نے ایسی مضبوط رسی کو تھام لیا ہے جو اپنی مضبوطی اور پائداری کی وجہ سے کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی ہے کہ اس نے ان مثالوں کو تمام انسانوں کے لئے بیان فرمایا ہے لیکن ان کو سمجھنے، ادراک کرنے اور اس میں تدبر کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو باشعور اور علم میں پختہ ہیں۔ ارشاد فرمایا:

تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ. (العنکبوت:۴۳)

اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

باطل معبودوں کی کمزوری و بے وقعتی

يَـآ اَيُّهَـا النَّـاسُ ضُـرِبَ مَثَـلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ، وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّايَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ.

(الحج:۷۳)

اے لوگو! ایک بڑی بات (مثال) بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا کر نہیں سکتے چاہے سبھی اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (دونوں) کیسے گئے گزرے!

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ الوہیت کی تمام صفات کاملہ سے متصف ہے، اور وہی اس بات کا تنہا مستحق ہے کہ تمام مخلوق صرف اسی کی عبادت کرے، اسی کے سامنے عاجزی اختیار کرے اور اسی کی تسبیح و تقدیس بیان کرے، یہ وہی معبود برحق ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ان میں ضرورت کی ساری چیزیں بغیر کسی سابق

نظیر اور نمونہ کے پیدا فرمادیں، اسی نے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا نظام قائم کیا، رات کو آرام اور دن کو کام کاج کے لئے بنایا، اسی نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں اپنی وسعت کے بقدر بھر گئیں، پھر اس کے ذریعہ پیڑ، پودے اور پھل و پھول پیدا فرمایا جب کہ ان سب چیزوں کا پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں تھا۔

أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (الواقعة: ٦٤) اسے تم اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں۔

یہی وہ معبود ہے جس نے آسمان وزمین کی ساری چیزوں کو ہمارے تابع کر دیا اور اسی نے سورج، چاند اور تمام ستاروں کو ہمارے لئے مسخر فرمایا تا کہ ہم اس کے ذریعہ راستہ پاسکیں سمندر کو ہمارے قابو میں کر دیا تا کہ ہم اس سے تازہ گوشت (مچھلی) نکال کر کھائیں، پھر اس میں کشتیاں جو لوگوں کے لئے کارآمد ہیں، اسی کے حکم سے چلتی ہیں۔

یہ معبود جو سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے جس سے آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے اور اس کے لئے پوشیدہ وظاہر سب برابر ہیں، وہی معبود برحق ہر چیز کا مالک ہے، وہی ہماری جانوں کا بھی مالک ہے، وہ وہی ہے جس نے ہم کو پیدا کیا، وہی ہم کو موت بھی دے گا اور پھر وہی جزا وسزا اور حساب کے لئے زندہ کرے گا۔

یہ معبود دنیا کی ہر چیز کا خالق ہے، وہی اس کا نگراں وحاکم ہے، ہر چیز اسی کی طرف لوٹنے والی ہے لیکن بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالئے یہ لوگ بے خبر وغافل ہیں ان کے پاس نہ تو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کوئی ٹھوس دلیل ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے جواز فراہم کر سکے، اور نہ ہی ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ان معبودان باطل کی عبادت محض اندھی تقلید کی بنیاد پر کی ہے۔

اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ. ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایک (خاص) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں

(الزخرف: ۲۳) کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

ان کی اس عبادت کی بنیاد جہل مطلق ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ، قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ، قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ.

(الشعراء: ۶۹، ۷۴)

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجئے (اس وقت کا) جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں، (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر پہونچا سکتے ہیں؟ وہ بولے (نہیں یہ کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے۔

یہی ان کے ان بتوں کی عبادت کی بنیاد و اساس ہے تو کیا ان ظالموں کا قیامت کے دن کوئی مددگار ہوگا؟ بلکہ قیامت کے دن ان کا معاملہ ایسے سخت اور درشت مزاج فرشتوں کے ہاتھ ہوگا جو ان کو چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی آگ میں پہونچا دیں گے، یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو نہ عقل و ہوش سے کام لیتے ہوں اور نہ سمع و طاعت سے، نہ ہی ذکر سے نصیحت حاصل کرتے ہوں اور نہ ہی اللہ کو ولی بناتے ہوں۔

یہ گمراہ و جاہل جنہوں نے بتوں کی عبادت کی اور ان کو اپنا معبود بنایا، اللہ تعالیٰ ان کے معبودوں کے بارے میں صاف فرماتا ہے کہ یہ بہت ہی کمزور ہیں کسی بھی حال میں عبادت کے مستحق نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان معبودوں کی کمزوری کی بڑی اچھی مثال قرآن میں بیان کی اور تمام لوگوں سے بغور سننے کے لئے کہا، فرمایا:

يَـا اَيُّهَـا النَّـاسُ ضُـرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ، وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّايَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ.

(الحج:۷۳)

اے لوگو! ایک بڑی بات (مثال) بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا کرنہیں سکتے، چاہے سبھی اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (دونوں) کیسے گئے گزرے

یعنی اس میں غور کرو اپنی عقلوں کو لگاؤ اور فکر و تدبر کے ساتھ اس کے اصل مغز و معنی پر دھیان دو "اِنَّ الَّـذِيْـنَ تَـدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ" یعنی اس سے دعا و سوال کرتے ہو اور اللہ کو بھول جاتے ہو، یہ معبود ایک مکھی تک تو پیدا کر نہیں سکتے ہیں گو یہ سب کے سب اس کے لئے اکٹھے ہو کر کوشش کریں، یعنی سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، یہاں مکھی ہی کا ذکر اس کے معمولی اور بظاہر حقیر و کمزور ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے اور اگر یہ مکھی ان معبودوں سے کچھ لے لے، اٹھا لے تو یہ معبود اتنے کمزور ہیں کہ مکھی سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔

یہ ان معبودوں کی اور ان کی عبادت کرنے والے مشرکوں کی کمزوری ولا چاری اور عجز و ناطاقتی کی مثال ہے کہ طالب بھی کمزور و عاجز ہے اور اس کا مطلوب بھی۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ۔

کافروں کی ایک مثال

کفار و منافقین کا اللہ کے بندوں کے ساتھ دنیا میں مل جل کر رہنا ان کو امن اور اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا ہے اور نہ ہی قیامت کے دن کوئی فائدہ پہونچا سکتا

ہے، اللہ نے تو کافروں کے لئے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	یہ کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں
فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ	تجھے دھوکہ میں نہ ڈالدے (یہ) چند
جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ	روزہ بہار ہے پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ
(آل عمران : ۱۹۶، ۱۹۷)	ہے اور وہ کیسی بری آرامگاہ ہے۔

یہ تعلق اور میل جول چاہے بہت ہی قریبی کیوں نہ ہو جیسا کہ منافقوں کا نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ تھا کہ وہ ان کی مسجدوں میں نماز بھی پڑھتے تھے اور علم کی مجلسوں میں بیٹھتے بھی تھے، پھر بھی یہ چیزیں ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں جب تک کہ ایمان ان کے دلوں میں جگہ نہ بنالے اور وہ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور ہدایت پر جو وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے ہیں ایمان نہ لے آئیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کفار کے ساتھ ہتھیار کے ذریعہ اور منافقوں پر حدود قائم کر کے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ	اے نبی آپ جہاد کیجئے کافروں سے اور
وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَأْوَاهُمْ	منافقوں سے اور ان پر سختی کیجئے ان کا
جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ. (التحریم : ۹)	ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے یہ مثال بیان کر دی تا کہ ان کے سامنے حقیقت کھل کر آجائے اور ان کے خلاف حجت پوری ہو جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول ان سے قرابت داری اور رشتہ ناطہ کچھ بھی سود مند نہ ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ جب یہ آیت ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے قبیلۂ قریش کو بلایا، وہ سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے عمومی انداز میں بھی بات کہی اور نام لے لے کر خاص طور سے مخاطب کر کے بھی فرمایا:

''اے کعب بن لوی کی اولاد: اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے
مرہ بن کعب کی اولاد: اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے عبد شمس کی اولاد:

اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے عبد مناف کی اولاد: اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے ہاشم کی اولاد: اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے، عبد المطلب کی اولاد اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے فاطمہ: اپنے آپ کو جہنم سے بچالے، میں اللہ کے معاملہ میں تم لوگوں کے کچھ کام نہ آسکوں گا اور نہ میں کسی طرح کا کوئی سہارا بن سکوں گا، ہاں میں تمہارا رشتہ دار ہوں اس لئے صلہ رحمی کرتا رہوں گا اور بس" (۱)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا امْرَاتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ . (التحریم : ۱۰)

اللہ ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے ان کے حق ضائع کئے تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے، اور دونوں عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام دونوں نبی اور رسول تھے، دونوں کی بیویاں تھیں جو رات و دن، سونے، جاگنے، کھانے، پینے اور رہنے سہنے میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ تھیں، لیکن جو معاملہ پیش آیا اسے اللہ نے خود بیان فرمادیا کہ" فَخَانَتَاهُمَا" کہ ان دونوں نے ان کے حق ضائع کئے یعنی بیویاں اپنے شوہروں کی نبوت پر ایمان نہیں لائیں اور ان کی رسالت کی تصدیق نہیں کی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تعلقات، اتنی قربت اور زندگی کی رفاقت بھی کام نہ آئی اور اللہ کے عذاب سے کوئی چیز بچا نہ سکی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان من مات علی الکفر الخ

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. (التحریم : ۱۰) تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔

یہ ان کے کفر کی وجہ سے، چنانچہ ان دونوں سے کہا گیا کہ:

اُدْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ (اور دونوں عورتوں کو حکم ملا) کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

یہ کفر کرنے والوں کے لئے واضح اور کھلی ہوئی مثال ہے، یہاں ''فَخَانَتَاهُمَا'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ فاحشہ تھیں، بلکہ انہوں نے دین میں خیانت کی تھی کہ ایمان نہیں لائیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں ان کے حرم میں ہونے کی وجہ سے فحش و بدکاری کا شکار ہونے سے معصوم رہتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''فَخَانَتَاهُمَا'' سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان دونوں نے زنا کیا، بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں کو بتایا کرتی تھی کہ نوح مجنون ہیں، اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کر دیا کرتی تھی، اور حضرت ابن عباسؓ ہی نے کہا کہ ''فَخَانَتَاهُمَا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں حضرت نوح و لوط علیہما السلام کے دین پر نہیں تھیں، یہی قول عکرمہ، سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔(۱)

ایک اور مثال

انسان کا رشتہ اپنے ماضی سے بہت ہی گہرا ہوتا ہے وہ اس کی ہر چیز سے مانوس ہوتا ہے، ہر چیز کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، عادات و افعال میں آباء و اجداد کی پوری پیروی کرتا ہے اور اس کی کوشش رہتی ہے کہ وہ اس راہ سے ہٹنے نہ پائے، گرچہ ان کے آباء و اجداد

(۱) تفسیر ابن کثیر مذکورہ آیت۔

حق سے منحرف اور باطل ہی پر کیوں نہ ہوں، خاص طور سے عقائد کے باب میں۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اپنی نازل کردہ شریعت پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو بس اپنے آباء واجداد کے دین ومذہب ہی پر قائم رہیں گے اور انہیں کی اتباع کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ .

(البقرة : ۱۷۰ . ۱۷۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے خواہ ان کے باپ (دادا) نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں، اور جو لوگ کافر ہیں ان کا حال تو اس شخص جیسا ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مثال ان کافروں کی دی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جب محمد ﷺ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کو توحید وایمان کی دعوت دیتے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کی پیروی اور کفر وضلالت اور جہالت کو چھوڑنے کا حکم دیتے تو وہ سب آپ ﷺ کو جواب دیتے ہوئے کہتے کہ ہم تو اسی شرک وبت پرستی پر قائم رہیں گے جس پر کہ ہمارے آباء واجداد تھے، اور جس پر

ہم نے ان کو دیکھا ہے اس لئے کہ وہ دین کے بارے میں زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا ''اَوَلَوْ کَانَ آبَاءَ هُمْ لَایَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَایَهْتَدُوْنَ'' یعنی جن کی وہ اقتدا و پیروی کرتے ہیں اور جن کے طریقوں کو اپناتے اور جن کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں وہ عقل و سمجھ والے اور ہدایت یافتہ نہیں تھے، اور نہ ہی وہ اپنی عبادتوں کے سلسلہ میں کچھ جانتے تھے، بلکہ وہ نہ تو کچھ عقل و فہم رکھتے تھے اور نہ ہی راہ یاب تھے ـــــ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی مثال بیان کی اور ان کی مثال بہت ہی بری ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے یہ بات فرمائی کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کی مثال بہت ہی بری ہے، چنانچہ ان کفار کی مثال دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَالَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّ نِدَآءً صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ .
(البقرة : ۱۷۱)

اور جو لوگ کافر ہیں، ان کا حال تو اس شخص جیسا ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کی مثال جو نہ ایمان رکھتا ہو اور نہ ہدایت یافتہ ہو جانور سے دی ہے کہ کافر و جانور ہر ایک نہ تو غور کرتا ہے اور نہ ہی عقل و فہم کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ان کفار کی مثال صحراء میں شتر بے مہار کی طرح ہے جس کا مالک اس کو پکار رہا ہو اور وہ سوائے ایک آواز و چیخ سننے کے کچھ بھی نہ سمجھتا ہو۔

چنانچہ کافر سے جب حق بات کہی جاتی ہے یا اس کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کچھ نہیں سمجھتا ہے اور نہ ہی جو کچھ سنتا ہے اس کا ادراک کر پاتا ہے، یہ اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے، جس کی وجہ سے اب ان کے پاس خیر کی صلاحیت ہی نہیں رہی اور وہ جانور جیسے ہو گئے کہ آواز و پکار کو تو سنتے ہیں، مگر سنی ہوئی باتوں پر نہ تو غور کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا ادراک کر پاتے ہیں۔

کفر وضلالت کے داعی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کافروں کی مثال بیان کی ہے، جو اپنے عقیدہ و مذہب کی نشر واشاعت کے لئے جان و مال اور وقت کو صرف کرتے ہیں اور اس کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اس خیال کے ساتھ کہ وہ حق پر ہیں، یہ اپنی زندگی میں کچھ عبادتوں اور کچھ دیگر اعمال کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی کوئی بنیاد ضرور ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً، حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ . (النور : ۳۹)

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضاء) الٰہی کو پایا سو اللہ نے اس کا حساب پورا چکا دیا اور اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے۔

ان کے اعمال کی مثال اس سراب کی سی ہے جو انسان کو دور سے ریگستان یا مسطح ہموار زمین میں موجیں مارتا ہوا سمندر کی شکل میں نظر آتا ہے اور اس کو دیکھنے پر انسان کو پانی کا گمان ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف پینے کی غرض سے بڑھتا ہے اور جب وہاں پہونچتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا ہے۔

یہی حالت ان کفار و مشرکین کی ہوگی جو کفر کی دعوت دے کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ بہت ہی اجر وثواب کے مستحق ہیں لیکن جب وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا محاسبہ فرمائے گا تو وہ اپنے ان

اعمال کو قطعاً غیر مفید اور اپنے آپ کو کامیابی سے دور پائیں گے، وہ ان کو عذاب الٰہی سے کچھ بھی نجات نہ دلا سکیں گے، اور سوائے خسارہ و نقصان کے کچھ ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔

یہ اس وجہ سے کہ وہ جو بہتر اعمال کرتے تھے ان میں وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت نہیں رکھتے تھے، اور وہ شرک کے مرتکب تھے یا وہ اعمال خود اپنی جگہ درست نہیں تھے، اور ان کے پاس ان اعمال کے درست ہونے کی اللہ کی طرف سے کوئی دلیل بھی نہیں تھی، بہرصورت ان کے لئے کوئی راہِ نجات نہیں ہے اور دراصل وہ راہ حق سے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں کی ڈگر سے کافی دور گمراہی میں جا پڑے ہیں اس لئے ان کے تمام کام مسلمانوں کے کام سے جداگانہ اور الگ ہوتے ہیں، ان کے عقائد بھی کتاب وسنت پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ ان لوگوں نے اپنی خواہشات اور اپنے سرداروں اور بڑوں کی پیروی کی ہے جس کی وجہ سے وہ راہ راست سے ہٹ کر گمراہی میں جا پھنسے ہیں اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہدایت پر ہیں، درحقیقت وہ سراسر خسارہ میں ہیں اور انہیں گمان یہ ہے کہ کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا، اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا، اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا، ذٰلِكَ جَزَآءُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيَاتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا.

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیا ہی کی زندگی میں (صرف و) غارت ہو کر رہ گئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں سو ان کے (سارے) کام غارت گئے سو ہم

(الکھف : ۱۰۳، ۱۰۶)

قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم رکھیں گے۔ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ، اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری نشانیوں اور میرے پیمبروں کی ہنسی اڑائی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال ان جاہلوں کی بیان کی ہے جو اپنے باطل مذہب اور فاسد عقیدہ کی دعوت دیتے اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔

وہ کفار جنہوں نے بظاہر اچھے کام کئے اور اپنے خیال کے مطابق عبادتیں کی ہیں، ان کے ان اعمال کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کی اتباع نہیں تھی اور نہ ہی ان کے پاس ان اعمال کے درست ہونے کی کوئی دلیل و حجت ہی تھی، تو گرچہ یہ اعمال لوگوں کی نگاہوں میں بہت ہی اچھے اور بڑے ہوں اور اس سلسلہ میں انہوں نے رات دن محنت کی ہو، مال بھی خرچ کیا ہو، گھر بار بھی چھوڑا ہو، اور اپنی پوری زندگی اپنے خیال کے مطابق اللہ کی اطاعت میں گزاری ہو مگر ان سب کے باوجود یہ اعمال اللہ کے نزدیک کچھ بھی سودمند نہ ہوں گے، اور جب وہ ان کو اللہ کے حضور میں پیش کریں گے تو کچھ بھی اجر و ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَّا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذَالِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيْدُ . (ابراھیم : ۱۸)

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے اڑا لے جائے، انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا جو کچھ انہوں نے کیا دھرا تھا (اس سے) بڑے دور دراز کی گمراہی یہی تو ہے۔

ان لوگوں کے اعمال کی مثال قیامت کے دن اس راکھ کی سی ہوگی جس کو سخت ہوا آندھی کے دن تیزی سے لے اڑے، تو کیا راکھ والے راکھ پر کچھ بھی قدرت پاسکیں گے؟ اور پھر جب کہ یہ آندھی کے دن ہوا ہو، اسی طرح کافر جب اللہ کے حضور قیامت کے دن اپنے اعمال کے ثواب کے طلب گار ہوں گے تو انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی عمل کو قبول نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اس کے کرنے والے کو اجر وثواب سے نوازتا ہے، اور نہ ہی وہ عمل جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے جب تک کہ اس کے اندر چند بنیادی شرطیں نہ پائی جائیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کا کرنے والا صرف ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اسلام میں داخل ہو، اس کی نیت صرف ایک اللہ کی رضا کا حاصل کرنا ہو، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا ہو، ان اعمال کی بنیاد کتاب وسنت میں موجود ہو، اور پھر ان اعمال کی ادائیگی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ اور ہدایت کے مطابق ہو۔

داعیان کفر وگمرہی کے مقلدین

اللہ تعالیٰ نے خوش فہم جاہل کفار کے اعمال کی مثال بیان کرنے کے بعد ان کفار کی مثال بیان کی ہے جو عوام الناس کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنی سادگی وبھولے پن میں ہر چیز سے اندھے بہرے ہوکر رہبرانِ کفر اور رہزنانِ ایمان کی پیروی میں لگے رہتے ہیں اور اپنی عقل کو کچھ بھی کام میں نہیں لاتے۔

ارشاد باری ہے:

اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ	یا (وہ اعمال) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ	سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو
سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ	ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا ہو پھر

بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ . (النور : ۴۰)

اس (موج) کے اوپر (ایک اور) موج ہو (پھر) اس کے اوپر بادل ہو (غرض) اوپر تلے اندھیرے ہیں اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کے دیکھنے کا احتمال تک نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کے لئے (کہیں سے) نور نہیں۔

ایسے جاہل کافر مقلد کا دل اتھاہ سمندر کی تاریکی کی طرح ہے جس سمندر کے اوپر موج ہو پھر اس موج پر موج ہو اور اس کے اوپر بادل یعنی تاریکی در تاریکی! اتنی شدید تاریکی کہ اگر اپنا ہاتھ بھی نکال کر دیکھنا چاہے تو گھٹا ٹوپ اندھیرے اور سخت تاریکی کی وجہ سے نہ دیکھا جا سکے، یہ شدید تاریکی کافر کے دل پر ہر طرف سے چھا جاتی ہے پھر اس کا دل اسی گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا رہتا ہے۔

یہ جاہل کافر مقلد کا دل ہے جس کی مثال قرآن نے بیان کی ہے، کہ اس کو تہ بتہ کی تاریکی ڈھانپے رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے کافر کی آنکھ، کان اور دل و دماغ پر بھی مہر لگا دی، اس لئے وہ حق کی روشنی دیکھ نہیں سکتا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرة:۷)

مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی شنوائی پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے۔

ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا، ان لوگوں کے ساتھ، پھر پوچھا گیا کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں، یہی حال جاہل کافر مقلد کا ہے کہ وہ نہ اپنے رہنما کے حال سے واقف ہوتا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ کدھر جا رہا ہے۔

منافقوں کی مثال

جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی، حق کے ظاہر ہوجانے کے بعد بھی اس کا انکار کیا، ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدی، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد پھر اپنی باطنی خباثت کو آشکارا کر دیا اور اللہ اور آخرت کے دن کا زبان سے اقرار کرنے کے بعد پھر اسی زبان سے کفر ونفاق کا اظہار کیا۔

ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی ہے اور اس مثال کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی اختیار کی اور بصیرت حاصل ہوجانے کے بعد پھر اندھے ہوگئے اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس نے آگ روشن کی ہو اور پھر اس روشنی سے فائدہ اٹھایا ہو اور دائیں بائیں اور ارد گرد کی تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہو اور اس سے مانوس بھی ہوگیا ہو کہ اچانک وہ روشنی ختم ہوجاتی ہے پھر وہ اپنے کو شدید تاریکی میں گھرا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے نہ تو کسی چیز کو دیکھ ہی سکتا ہے اور نہ ہی کسی چیز تک اس کی رسائی ہو پاتی ہے، اور وہ روشنی دوبارہ اس کو حاصل ہونے والی بھی نہیں۔

اسی طرح ایمان ایسے شخص کے دل میں لوٹ کر نہیں آسکتا ہے کہ جس نے ایمان کے بدلہ گمراہی اختیار کر لی، اور اس پر خوش ہوا جس کی وجہ سے ایمان کا نور اس کے دل سے مٹا دیا گیا ہو، چنانچہ اس کے کفر ونفاق اور اللہ کے دین کے ساتھ استہزاء کرنے کی وجہ سے دوبارہ اس کا دل نور ایمان سے منور نہیں ہوسکتا ہے۔

اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، ان کو اپنے بندوں میں داخل کیا، انہیں راہِ راست کی ہدایت دی اور ایسے علوم سے نوازا جو ان کے لئے سودمند ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے رب کی عبادت میں سستی وکوتاہی کرتے

ہیں اور گوشہ گیر ہو کر اپنے واجبات وفرائض کی ادائیگی سے پہلو تہی اختیار کرنے لگتے ہیں، اور اگر وہ پریشانیوں اور مشکلات کا شکار ہوتے ہیں تو اپنے خالق سے مدد نہیں مانگتے اور جب اپنے کرتوت کی وجہ سے اس میں بالکل گھر جاتے ہیں تو شیطان آ کر ان کو گمراہ کرنے لگتا اور جہنم کی راہ دکھانا شروع کرتا ہے، پس یہ لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں تب وہ ان کے لئے برائیوں کو آسان وسہل کر کے پیش کرتا ہے اور ایسے کاموں کا مشورہ دیتا ہے جو ان کو راہ راست سے روکنے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَانِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ، وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ، حَتّٰى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ، وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ. (الزخرف: ۳۶. ۳۹)

اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اور وہ شیاطین ان لوگوں کو راہ (راست) سے روکتے ہیں۔ اور یہ (اپنے لئے) خیال کرتے رہتے ہیں کہ ہم راہ یاب ہیں (یہ تغافل قائم رہتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ شخص ہمارے پاس آجاتا ہے تو (شیطان اس سے) کہتا ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا، تو وہ (شیطان) کیسا برا ساتھی ہی اور آج یہ بات بھی تمہارے کام نہ آئیگی، جب کہ تم خود کفر کر چکے ہو تم عذاب میں (دوسروں کے ساتھ) شریک ہو۔

یہ مثال ان منافقوں کی ہے جو ایمان کے بدلہ کفر اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار

کر لیتے ہیں، پھران کی حالت اسی طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ قرآن نے بیان کیا:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (البقرہ:۱۸)

(وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، تو اب وہ واپس نہ ہونگے۔

یعنی پھر وہ ایمان کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتے ہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کی بنا پر ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ. (المنافقون:۳)

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے، پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو یہ (اب) نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال ایک اور آیت میں اس طرح بیان کی ہے:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ، صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (البقرہ:۱۷.۱۸)

ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہیں (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں تو اب وہ واپس نہ ہوں گے

جاہل منافقین

ایسے منافقین جن کا نفاق کھلا ہوا تھا اور وہ اپنے نفاق پر ہٹ دھرم تھے ان کی مثال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور قسم کی مثال بیان کی ہے جو ایمان و

نفاق کے درمیان تذبذب میں تھے گاہے وہ حق کو مانتے تھے اور گاہے اس میں شک کرنے لگتے تھے، پہلی قسم کے خالص منافقین کے مقابلہ میں ان کی حالت کسی قدر کم ابتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ، اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (البقرہ: ۱۹. ۲۰)

یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینھ برس رہا ہو اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں میں انگلیاں کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو، قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں یہ چلتے ہیں اور جہاں ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں، اللہ اگر چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

''الصیب'' کے معنی تاریکی کی حالت میں آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ہیں، یہاں شکوک وشبہات اور کفر ونفاق کی تاریکیاں مراد ہیں۔

''رعد'' ایسی آواز کو کہتے ہیں جو دلوں کو مارے خوف کے بیقرار کر دے، منافقین میں بھی سخت خوف، دہشت، گھبراہٹ اور بیقراری کی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ (المنافقون: ۴)

ہر غل پکار کو یہ اپنے ہی اوپر سمجھنے لگتے ہیں۔

ان کی نگاہیں اپنی کمزوری کی وجہ سے بجلی کی قوت وشدت کے سامنے ٹک نہیں سکتی ہیں کہ:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ — قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے۔

چنانچہ بجلی کی گرج سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں، لیکن ان کا یہ احتیاط کرنا کچھ بھی مفید نہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی قدرت کے دائرہ میں لئے ہوئے ہے اور وہ اللہ کی مشیت وارادہ کے تحت ہیں،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (البروج:۱۷.۲۰)

ہاں کیا آپ کو ان لشکریوں کا بھی قصہ پہنچا ہے (وہی) فرعون اور ثمود کا، اصل یہ ہے کہ کافر تکذیب میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ انہیں ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہیں۔

جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا ہے تو یہ منافقین مطمئن رہتے ہیں اور اگر اسلام کو خدا نخواستہ کسی مشکل سے گذرنا پڑتا ہے تو یہ منافقین کفر کی طرف چل پڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ایمان کی طرف سے کوئی چیز سامنے آتی ہے تو وہ اس سے مانوس ہوتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور جب شک وشبہ ہونے لگتا ہے تو ان کے دل تاریک ہوجاتے ہیں اور وہ حیرت زدہ وششدر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (البقرة:۲۰)

وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں یہ چلتے ہیں اور جہاں ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں اللہ اگر چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کرلیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ مثال اس قسم کے منافقین کی ہے جن کے دل شک وشبہ اور کفر وتذبذب کی وجہ سے شدید تاریکی میں اس موسلا دھار بارش کے مانند ہیں جس میں ایسی گرج ہو جو دلوں کو خوف ودہشت سے بیقرار اور ایسی چمک وبجلی ہو کہ نگاہوں کو خیرہ کر دے، یہ لوگ بچنے اور حفاظت کے لئے جو ذرائع واسباب اختیار کرتے ہیں وہ انہیں کام نہیں آئیں گے اور نہ ان کی حفاظت کر سکیں گے، اللہ تعالیٰ ان سبھوں پر پورا قابو اور قدرت رکھنے والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی یہ دونوں مذکورہ مثالیں بیان کیں تو مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ ان جیسی مثالوں کے بیان کرنے سے بہت ہی بلند وبالا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے مکھیوں اور مکڑیوں کا بطور مثال ذکر فرمایا تو یہی مشرکین کہنے لگے کہ ارے مکھیوں اور مکڑیوں کا ذکر کیوں کیا جا رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرة: ٢٦)	اللہ تعالیٰ اس سے ذرا نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی)

یعنی حق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ معمولی سی معمولی چیز کو بھی بیان کرنے سے حجاب نہیں محسوس کرتا ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال دنیا کی دی ہے، مچھر جب تک بھوکا رہتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب موٹا ہو جاتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، یہی حالت اس قوم کی ہے جس کے لئے یہ مثال قرآن میں بیان کی گئی کہ جب وہ دنیا سے خوب آسودہ ہو جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ان کی گرفت فرماتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ.	پھر جب اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ جھٹلاتے رہے تو ہم نے

(الانعام: ۴۴) (۱) ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دئے۔

چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت ''ان اللہ لایستحی ان یضرب مثلا مابعوضة فما فوقها '' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی مثال کے بیان کرنے سے نہ عار محسوس کرتا ہے اور نہ ڈرتا ہے چاہے وہ مثال جیسی اور جس چیز کی ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، مچھر سے زیادہ چھوٹی اور معمولی چیز کون سی ہوسکتی ہے؟ اس کی بھی قرآن کریم میں مثال موجود ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے:

وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ . (۲)

کہ اگر دنیا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کوئی کافر ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پی سکتا۔

یہ دنیا کی حقارت کی مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ فرمادیا کہ وہ کسی بھی چیز کو بطور مثال پیش کرنے کے لئے معمولی اور گھٹیا نہیں سمجھتا ہے، چاہے وہ اپنی حقارت و کمزوری میں مچھر ہی کے برابر کیوں نہ ہو، جب وہ اس کو پیدا کرنے میں عار نہیں محسوس کرتا ہے تو بطور مثال بیان کرنے میں کیوں عار محسوس کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے مکھیوں اور مکڑیوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ

اے لوگو ایک بڑی بات (مثال) بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا کر نہیں سکتے چاہے سبھی اس غرض کے لئے جمع ہوجائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر : ۱/ ۶۷

(۲) جامع الترمذی: أبواب الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی الله

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ.
(الحج : ۷۳)

سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے طالب اور مطلوب کیسے گئے گزرے۔

اور فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ .
(العنکبوت: ۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے اس نے ایک گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے کاش انہیں اس حقیقت کا علم ہوتا۔

اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے اسی کی شان یکتا و نرالی ہے، وہ جو کچھ بھی کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ گچھ نہیں کر سکتا، اور اس کے علاوہ سبھوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

یہود سے منافقوں کا وعدۂ نصرت

منافقوں نے یہودیوں سے خوب خوب وعدے کئے، اور ان سے کہا کہ اگر تم یہاں سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اور اگر محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب تم سے جنگ کریں گے تو ہم تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہ منافقین اپنے دعوے میں اور یہودیوں سے وعدہ کرنے میں پکے جھوٹے ہیں، اگر یہود نکالے گئے تو کبھی یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر بالفرض نکل گئے تو ان کی نیت ان کے سلسلہ میں صاف نہیں ہوگی، اس لئے وہ نہ تو ان کا ساتھ دیں گے اور نہ ہی ان کی مدد کریں گے، اور اگر لشکر اسلام

کے ساتھ جنگ چھڑ گئی تو یہ خود بھاگ کھڑے ہوں گے۔

منافقوں کو اس کا پورا احساس تھا کہ اہل ایمان ان کے لئے اللہ سے بڑھ کر باعثِ خوف ودہشت ہیں۔

لَأَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ (الحشر: ۱۳)

بیشک تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى. (الحشر: ۱۴)

یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر ہاں حفاظت والی بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب غیر متفق ہیں۔

وہ اپنی بزدلی اور گھبراہٹ کی وجہ کر اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہیں اور اگر وہ جنگ کرتے بھی ہیں تو ڈر کے مارے قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کی آڑ لے کر۔

تم ان کو باہم متحد اور ایک سمجھ رہے ہو؟ ایسا نہیں ہے وہ ابھی تمہارے مقابلہ میں متحد ہو کر آتے ہیں ورنہ ان کے درمیان شدید عداوت اور اختلاف ہے، وہ ہرگز باہم متحد اور ایک نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی باہم ایک دوسرے کا تعاون کر سکتے ہیں، منافقوں اور اہل کتاب کے درمیان کسی طرح کا اتحاد ہرگز کبھی نہیں ہو سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (الحشر: ۱۵)

ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ان کے کچھ قبل ہوئے ہیں، جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں، اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

یعنی ان یہودیوں کی مثال یہود بنی قینقاع کی ہے اور ان کو بھی وہی مصیبت پہونچنے والی ہے جو بنوقینقاع کو پہونچی ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی بھی مثال بیان کی جنہوں نے اسلامی لشکر کے خلاف منافقین کی مدد کرنے کے وعدہ سے دھوکہ کھایا چنانچہ جب منافقوں نے یہ دیکھ لیا کہ یہودیوں کے لئے جنگ اور ان کا محاصرہ بہت ہی شدید ہو گیا ہے تو وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے، ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْقَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ . (الحشر : ١٦)

(ان کی) مثال شیطان کی سی ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو (شیطان) کہنے لگتا ہے، میرا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں میں تو اللہ پروردگارِ عالم سے ڈرتا ہوں۔

ان منافقین کی مثال یہودیوں کے سلسلہ میں ایسی ہی ہے جیسے شیطان انسان کے لئے دنیا میں کفر کو خوب بنا سنوار کر پیش کر رہا ہے اور انسان بھی اس کے دھوکہ میں آ کر کفر کرنے لگتا ہے اگر اس کفر پر اس کی موت ہو جاتی ہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ خود وہ شیطان جس نے اس کو گمراہ کیا تھا کہے گا کہ میں تم سے بالکل بری ہوں، الگ تھلگ ہوں، مجھے خود اللہ رب العالمین سے ڈر لگا ہوا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کے انجام کو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیا:

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ. (الحشر :١٧)

سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی سزا ہے ظالموں کی۔

اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد کا قصہ بیان کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک عورت کے چار بھائی تھے وہ

عورت دن میں بکریاں چرایا کرتی تھی اور رات میں ایک راہب کے گرجا میں پناہ لے لیا کرتی تھی، ایک مرتبہ راہب اوپر سے نیچے اترا اور اس عورت کے ساتھ بدفعلی کر لی جس کے نتیجہ میں وہ عورت حاملہ ہوگئی، اس کے بعد شیطان اس راہب کے پاس آیا اور مشورہ دیا کہ اس عورت کو قتل کر کے دفن کر دو تم معزز آدمی ہو، تمہاری بات مان لی جائے گی، چنانچہ راہب نے ایسا ہی کیا اس کو قتل کر کے دفن کر دیا۔

پھر وہ شیطان اس عورت کے بھائیوں کے پاس خواب میں گیا اور ان لوگوں کو بتایا کہ اس گرجا کے راہب نے تمہاری بہن کے ساتھ بدکاری کی اور جب وہ حاملہ ہوگئی تو اس کو قتل کر کے فلاں جگہ دفن کر دیا ہے، جب صبح ہوئی تو ان بھائیوں میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے رات ایک خواب دیکھا سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اسے بیان کروں یا رہنے دوں؟ سبھوں نے کہا نہیں بلکہ اسے بیان کرو چنانچہ اس نے بیان کیا تو دوسرے نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے بھی یہی دیکھا ہے پھر تیسرے نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے چنانچہ وہ لوگ چلے اور اپنے بادشاہ کو اس راہب کے خلاف تیار کر لیا پھر وہ لوگ راہب کے پاس گئے اور اس کو ساتھ لے کر بادشاہ کی طرف چلے، راستہ میں اس راہب سے وہی شیطان ملا اور اس نے کہا کہ میں نے ہی تم کو اس مصیبت میں گرفتار کرایا ہے اور میرے علاوہ کوئی تم کو بچا بھی نہیں سکتا ہے اس لئے تم مجھ کو ایک سجدہ کر لو تو میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلا دوں گا اس راہب نے سجدہ کر لیا، اور جب وہ لوگ راہب کو لے کر بادشاہ کے پاس پہونچے تو شیطان اس راہب سے الگ ہوگیا، اور راہب کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔(۱)

نیک بخت اور بد بخت

اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کے وقت بدبختوں کی حالت اور تمام فرشتوں،

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳۶۵/۴

رسولوں، نبیوں اور تمام انس وجن کی موجودگی میں ان کی شدید رسوائی کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ حاضرین تک کہنے لگیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا تھا، ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

بد بخت وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور لوگوں کو حق، نیکی، رسولوں کی تعلیمات اور جنت کے راستوں سے روکا، ان کو دنیا کی لذتوں کی طرف بلایا، اور اس کے تمام راستے کھول دیئے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنا مال وطاقت اور وقت کو صرف کیا۔

بد بخت ہر شر سے قریب اور ہر خیر سے دور ہیں، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور دسترس سے باہر بھی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ تو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ان سے انتقام لینے پر قادر ہے لیکن انہیں ڈھیل دے رہا ہے ایک ایسے دن تک کے لئے جس دن کہ آنکھیں پتھرا جائیں گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دل ونگاہ کی دولت سے نوازا مگر انہوں نے اس سے کام نہیں لیا بلکہ سرکشی وعناد پر اتر آئے اور اللہ کے رسولوں اور حق کے داعیوں سے برسر پیکار ہو گئے، چنانچہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کی اتباع کرنے سے اندھے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے سلسلہ میں خبر دی۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (الملک: ۱۰)	اور کہیں گے کہ ہم اگر سن لیتے یا عقل ہی سے کام لیتے تو ہم اہل دوزخ میں سے نہ ہوتے۔

چنانچہ انہوں نے خواہشات اور شیطان کی اتباع کر کے اپنے کو دنیا وآخرت دونوں میں نقصان پہونچایا اور اپنے کو جہنم کا مستحق ٹھہرایا:

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ . (النحل: ۲۹)	تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر) غرض کیسا برا ہے ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا۔

ان کے وہ معبودانِ باطل جن کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے اور انبیاء وصالحین

کی پیروی کرنے والوں کے خلاف جو رتھ تیار کرتے تھے وہ کچھ کام نہ آیا۔

ان ظالموں اور بدقسمتوں کے معبودان باطل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا، كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا . (مریم : ۸۱، ۸۲)

اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں، ہرگز نہیں (بلکہ) وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

کہ قیامت کے دن ایک دوسرے کو متہم اور لعن طعن کریں گے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کے دوست اور اس کے محبوب ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا تو دل سے قبول کیا اور اعمالِ صالحہ یعنی احکامِ الٰہی پر عمل کر کے، منکرات اور گناہ کی باتوں سے باز رہ کر اس کا عملی ثبوت پیش کیا، چنانچہ وہ اس جنت کے وارث ہوں گے جس میں اونچے اونچے بالا خانے ہوں گے قطار در قطار مسندیں ہوں گی، پھلوں کے جھکے ہوئے گچھے اور اونچے فرش ہوں گے، جہاں ان کے لئے ہر طرح کی اچھی اور خوبصورت چیزیں ہوں گی، قسم قسم کے میوے، لذیذ کھانے، عمدہ مشروبات، اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق کا دیدار نصیب ہوگا، یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان پر موت طاری ہوگی نہ بڑھاپا، نہ بیمار ہوں گے اور نہ ہی نیند آئے گی، اور نہ ہی بول و براز، اور نہ تھوکنے اور ناک صاف کرنے کی ضرورت پڑے گی، فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئیں گے اور سلام پیش کریں گے کہ تمہیں صبر کا کتنا ہی اچھا بدلہ ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک بخت و بد بخت کی حالت بیان کرنے کے بعد کافر و مؤمن کی اس طرح مثال بیان فرمائی ہے:

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ، وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا

مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ . (هود: ۲۴) اور سننے والا ہو کیا (یہ) دونوں حالت میں برابر ہیں، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔

کافر دنیا و آخرت دونوں میں حق کو دیکھنے سے اندھا ہے، نہ وہ کسی خیر کی ہدایت پاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو پہچان سکتا ہے، اسی طرح آسمان و زمین کی بادشاہت اور ان میں اللہ کی نشانیاں وعجائبات کا مشاہدہ اس کے لئے کچھ سودمند نہیں ہوتا ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ. (الحج: ۴۶) سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے، یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے، اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

کافر دلائل سننے سے بہرہ ہوتا ہے، وہ ایسی باتیں نہیں سنتا ہے جو اس کے لئے فائدہ مند ہو بلکہ وہ ایسی باتیں سنتا ہے جو اس کو نقصان پہونچانے والی ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال: ۲۳) اور اگر ان میں کسی خوبی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ انہیں سنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سنوا دے تو یہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے

لیکن مؤمن صاحب بصیرت، عقلمند، باشعور اور حق آگاہ ہوتا ہے، وہ حق و باطل کے درمیان تمیز کرتا ہے اور حق کی اتباع اور اس کے حصول میں ہر طرح کی کوشش، جد و جہد اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی سعی کرتا ہے، ہر شر کو چھوڑ دیتا ہے، اس سے دور بھاگتا ہے اور اس کی کبھی خواہش نہیں کرتا، وہ حقیقی دلیل اور اوہام و وساوس کے درمیان فرق کرتا ہے اس لئے باطل اسے اپنا شکار نہیں بنا سکتا۔

تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اللہ کے اس کلام سے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ عبرت نہیں لیتے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد حقانی نہیں سنتے؟

لَا يَسْتَوِيْ اَصْحَابُ النَّارِ وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ، اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ . (الحشر: ۲۰)

اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں، اہلِ جنت تو کامیاب لوگ ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ، وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُ، وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ، اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. (فاطر: ۱۹. ۲۲)

اور نہ اندھا اور دیکھنے والا کہیں برابر ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی ہی، نہ ٹھنڈا (سایہ) اور (جلتی ہوئی) دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

ملک کے دانشوروں اور حکمرانوں کے لئے دعوتِ فکر اور مایۂ عبرت ہے کہ جن دو طبقوں کے درمیان خود اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیوی زندگی اور آخرت اور آخرت کے حساب و کتاب اور نتائج و ثمرات میں فرق کیا ہے، ان کے لئے اس فرق کو نظر انداز کرنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے یہ ایک مثال بیان کی ہے تا کہ دونوں فریقوں کے درمیان خوب اچھی طرح فرق واضح ہو جائے، تو کیا اب بھی یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ، وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ . (هود: ۲۴)

دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا، دوسرا دیکھنے اور سننے والا ہو کیا (یہ) دونوں حالت میں برابر ہیں، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔

غیر اللہ کو پکارنے والے

جو شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں میں نقصان اٹھانے والا ہے اس لئے کہ وہ ایسے کو پکار رہا ہے جو اپنے آپ ہی کو نفع نہیں پہونچا سکتا ہے تو دوسروں کو کیا نفع پہونچائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (الفرقان:۳)

اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (اور ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور خود ہی مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ (کسی) کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (کسی کی) زندگی کا اور نہ (کسی کے) دوبارہ اٹھانے کا۔

پس جو شخص باطل اور نفع وضرر سے عاجز معبود کو پکارتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد:۱۴)

اور جن کو (یہ لوگ) اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک

پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار تو محض بے
اثر ہی ہے۔

ایک شخص پیاسا ہے وہ پانی پینا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے وہ اپنی ہتھیلی پھیلاتا ہے تاکہ کنوئیں سے پانی حاصل کر سکے، یا پانی کو اپنی ہتھیلی سے پکڑتا ہے ظاہر ہے ایسا شخص ہتھیلی کے ذریعہ کبھی پانی حاصل نہیں کر سکتا، تو پھر کیونکر پانی پی سکے گا؟

چنانچہ جو شخص اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتا ہے اور غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے جیسے مشرکین کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں تو وہ ان عبادتوں کے ذریعہ نہ تو کبھی دنیا میں کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں، ان کی حالت بعینہ اس پیاسے شخص کی ہے جو پانی پینے کے لئے اپنی ہتھیلی پانی کی طرف بڑھاتا ہے کہ جس طرح یہ شخص اس طریقہ سے کبھی پانی نہیں حاصل کر سکے گا، اسی طرح وہ مشرکین کبھی اپنی اس عبادت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

اطاعت شعار اور ناشکر گزار

اللہ تعالیٰ جب بندوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ نعمتیں اس سے اس وقت تک نہیں چھینی جاتیں جب تک خود انسان نہ بدل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جگہ کفر و نافرمانی کی راہ اختیار نہ کر لے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ	کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس
نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو
الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ	جس کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں
اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ	(اور) اس کے یاں اس باغ میں (اور

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ . (البقرة:۲۶۶)

بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھاپا آچکا ہو اور اس کے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو۔

کسی کے پاس ایک باغ ہو جس میں کھجور، انگور، اور رنگ برنگ وانواع واقسام کے عمدہ پھل اور درخت ہوں اس میں نہریں بھی جاری ہوں، اس باغ والے کی عمر کافی ہو چکی ہو، وہ بڑھاپے اور کمزوری کی بنا پر کام کرنے پر قادر نہ ہو، ساتھ ہی ساتھ چھوٹے اور ناتواں بچے ہوں جو نہ کما سکتے ہوں اور نہ اپنے کام کو انجام دے سکتے ہوں، اس حالت میں اچانک اللہ کا عذاب آجائے اور پورا کا پورا باغ جل کر خاک بن جائے، جوانی کی پوری کمائی راکھ ہو جائے تو اب ایسی حالت میں باغ والا نہ تو خود ہی اس کو دوبارہ محنت ومشقت کر کے تیار کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی اولاد اپنی کمزوری و ناتوانی کی وجہ سے اس کا ساتھ دے سکتی ہے۔

یہ مثال اس مالدار شخص کی ہے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں لگا رہا، پھر اللہ کی بندگی سے منہ موڑ کر نافرمانی میں لگ گیا اور شیطان کی تابعداری میں گناہوں کا مرتکب ہونے لگا، یہاں تک کہ اس نے اپنے پہلے کئے ہوئے سارے نیک اعمال کو غرق کر دیا، ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا تو عملِ صالح کے ایک ایک ذرہ کا محتاج ہوگا اور جب اپنے اعمال پر نظر ڈالے گا تو اس کو بالکل بدلہ ہوا پائے گا اور جب وہ اپنے قریبی عزیزوں اور اولاد سے مدد طلب کرے گا تو وہ بھی اپنی کمزوری و عاجزی کی بنا پر اس کی مدد نہیں کر سکیں گے۔

دنیا کی وجہ سے دین کی ناقدری

انسان کو جب اللہ تعالیٰ علم کی روشنی عطا فرماتا ہے، اپنے علوم سے نوازتا، اور ہدایت سے سرفراز کرتا ہے، پھر وہ انسان اس علم و فضل اور نعمتِ خداوندی کو صحیح مصرف میں لانے کی بجائے اللہ کی معصیت و نافرمانی اور اس کے غضب کو بھڑکانے والا کام کرتا ہے نیز اللہ کو تکلیف پہونچانے اور اپنے آپ، اور اپنے گردوپیش کے لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگ جاتا ہے، تو ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ دنیا پر فریفتہ اور دنیا کے فتنے و خواہشات میں گرفتار ہو جانے کی وجہ سے اپنی انعام کردہ نعمتوں کے ذریعہ عزت و بلندی نہیں عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے انسانوں کی ایک مثال اپنی کتاب قرآنِ کریم میں بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْ اٰتَيْنَاهُ اٰيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ، وَ لَوْشِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ، سَاءَ مَثَلًا نِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ.

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں، پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور گمراہوں میں داخل ہوگیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کا مرتبہ ان (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا سو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے (جب بھی) ہانپے اسے

(الاعراف: ۱۷۵.۱۷۷)

چھوڑ رہ (جب بھی) ہانپے یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا، ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجئے (یہ) حالات، شاید کہ لوگ سوچیں، کیسی بُری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیتیں بنی اسرائیل کے ایک شخص بلعم بن باعوراء کے متعلق نازل ہوئی ہیں، ایک رائے یہ بھی ہے کہ اہل بلقاء کے ایک شخص کے متعلق ان آیتوں کا نزول ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے واقف تھا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ امیہ بن ابی الصلت بھی انہیں لوگوں کے زمرہ میں ہے اس لئے کہ گزشتہ شریعتوں کا بہت حد تک علم رکھتا تھا لیکن اس نے ان علوم سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا، آپ ﷺ کے معجزات ونشانیاں بھی اس تک پہونچیں، اور ہر صاحب بصیرت پر آپ ﷺ کی حقانیت وصداقت روز روشن کی طرح عیاں تھیں، آپ ﷺ سے اس کی ملاقات بھی ہوئی لیکن ان سب کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا بلکہ مشرکوں ہی کا طرفدار ومددگار بنا رہا۔

اس قسم کے لوگ جو اپنے علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اس کو پسِ پشت ڈالدیتے ہیں، دنیا ان کو اپنے فتنہ سامانیوں کے دام میں الجھا دیتی ہے، ان کی مشغولیتیں بڑھ جاتی ہیں، اور کاموں کے انبار لگ جاتے ہیں، پھر وہ کام کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی زندگی کو ہر چہار طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے اور اس کا سکون وراحت غارت ہوکر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے اور اس کا کام انجام کو پہونچ نہیں پاتا وہ دنیا سے بھی جو چاہتا تھا حاصل نہیں کر پاتا، اور آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ایسے شخص کی مثال کتے کی سی ہے جو ہر حال میں ہانپتا کانپتا رہتا ہے اگر اس کو ڈانٹا، پھٹکارا یا دوڑایا جائے تب بھی ہانپتا ہے اور اگر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تب بھی ہانپتا رہتا ہے، پس یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔

سَاءَ مَثَلاِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ. (الاعراف:۱۷۷)

کیسی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے خود نفع بخش چیز سے دست کش ہو کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے، چنانچہ جب انہوں نے اللہ کے راستہ، اللہ کے علوم اور اللہ کی ہدایت سے منھ موڑ لیا تو شیطان ان پر مسلط و قابض ہو گیا، اس کی رہنمائی و قیادت کرنے لگا، اور ہلاکت و بربادی کی راہ پر ڈال دیا چنانچہ وہ لوگ ہلاک و برباد ہو گئے، اگر اللہ چاہتا تو ان کو اپنی عطا کردہ نعمتوں کے ذریعہ بلندی و عزت سے سرفراز فرماتا مگر وہ خود ہی دنیا کی طرف مائل ہو کر اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، اور بری مثال کے مصداق ہوئے:

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ. (النحل: ٦٠)

بری مثال ہے ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے،

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں تحریر فرمایا ہے کہ

''ایک شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی اس نعمت سے نوازا ہے جس سے دوسروں کو محروم رکھا پھر بھی اس نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ خواہشات کی پیروی کی، اللہ کی ناراضگی کے راستہ کو اس کی رضا پر، دنیا کو آخرت پر اور مخلوق کو خالق پر ترجیح دی، اللہ نے اس شخص کو کتے سے تشبیہ دی ہے جو تمام جانوروں میں خبیث، گھٹیا اور خسیس ہے کہ اس کی تگ و دو پیٹ سے آگے نہیں بڑھتی، اور سب سے زیادہ لالچی و حریص ہے، اس کی حرص کا یہ عالم ہے کہ راستہ چلتے ہوئے بھی زمین کو ادھر ادھر سے سونگھتا پھرتا ہے اور اپنے تمام جسم کو چھوڑ کر پیچھے ہی کے حصہ کو برابر سونگھتا رہتا ہے، اس کی طرف پتھر بھی پھینکو گے تو غذاء

ہی سمجھ کر اس کی جانب لپکے گا غرضیکہ یہ انتہائی ذلیل وخسیس جانور ہے بدبودار سڑا ہوا مردار اس کے نزدیک تازہ گوشت سے زیادہ پسندیدہ اور نجاست حلوہ سے زیادہ لذیذ ہے ،اگر کوئی کتا سو کتوں کی خوراک کے برابر بھی کوئی مردہ پالے تو وہ کسی دوسرے کتے کو نہیں بلاتا ہے بلکہ الٹے اس پر بھونکنا شروع کرتا ہے اور حرص و لالچ اور بخل کی وجہ سے اس کو مارنے کاٹنے دوڑتا ہے، عجیب بات تو یہ ہے کہ اگر بوسیدہ پھٹے پرانے حال میں کسی کو دیکھتا ہے تو اس پر یہ سمجھ کر بھونکنا شروع کر دیتا ہے کہ کہیں وہ بھی ہمارے اس کھانے میں شریک نہ ہو جائے ،اور اگر کسی کو اچھی حالت اور اچھے لباس و پوشاک میں دیکھتا ہے تو اس کے سامنے سر جھکا دیتا اور زمین سے منہ لگا دیتا ہے۔

کثرت علم کے باوجود دنیا اور دنیا کی فانی چیزوں کو اللہ اور آخرت پر ترجیح دینے والے کو کتے کے ہانپنے کی حالت سے تشبیہ دینے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی آیات کو پسِ پشت ڈال کر خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اس کا دل اللہ اور یومِ آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کا بہت ہی خواہشمند اور اس کی طلب میں ہانپتا کانپتا رہتا ہے، گویا جس طرح کتا ہر حالت میں ہانپتا کانپتا رہتا ہے ویسے ہی یہ شخص دنیا کے پیچھے ہمیشہ پریشان حال اور ہانپتا کانپتا رہتا ہے، ابن جریج نے کہا ہے کہ کتا کے پاس دل نہیں ہوتا ہے، تم اس پر بوجھ رکھو تب بھی ہانپے گا اور نہ رکھو تب بھی ہانپے گا، چنانچہ یہ مثال اس شخص کی ہے جو ہدایت قبول نہیں کرتا کہ وہ گویا دل سے ہی محروم ہوتا ہے دل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس ایسا دل نہیں ہوتا جو اس کو صبر پر آمادہ کر سکے اور ہانپنے سے باز رکھے، اسی طرح جو شخص اللہ کے احکام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے، اس کے پاس ایسا دل نہیں ہوتا جو اس کو دنیا سے روکنے اور اس کے پیچھے لگنے سے باز رہنے پر آمادہ کر سکے، چنانچہ یہ شخص دنیا کے پیچھے اسی طرح بے صبری سے ہانپتا کانپتا رہتا ہے جیسے کتا پانی کے لئے، کتا پانی کے سلسلہ میں تمام جانوروں کے مقابلہ بے صبرا واقع ہوا ہے کہ پیاس کی حالت میں پانی نہ ملنے پر کیچڑ تک کھانے لگتا ہے، حالانکہ اس کے اندر بھوک کو

برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، بہرکیف! وہ تمام جانوروں میں سب سے زیادہ ہانپنے کا خوگر ہے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور اس کا باعث اس کے اندر حد سے زیادہ حرص وطمع کا مادہ ہے گویا اس کے جگر میں حرص کی گرمی اور تپش اس کو ہمیشہ ہانپنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔''(۱)

ابو محمد ابن قتیبہ نے کہا کہ عام طور پر جاندار پیاس یا تکان کی وجہ سے ہانپتا ہے مگر کتا ہر حالت میں ہانپتا ہے، تھکاوٹ ہو یا راحت، صحت ہو یا مرض، اور پیاسا ہو یا آسودہ ہر حال میں ہانپتا رہتا ہے، اس لئے اس کی مثال اس شخص سے دی ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے کہ اگر اس کو وعظ ونصیحت کرو تب بھی گمراہ ہی رہے گا اور اس کی حالت پر چھوڑ دو تب بھی گمراہ ہی رہے گا، جیسے کتا اگر اس کو پھٹکارو ڈانٹو تب بھی ہانپے گا اور اسی کی حالت پر رہنے دو تب بھی ہانپتا رہے گا، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ، سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ. (الاعراف: ۱۹۳)	اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری پیروی نہ کر سکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے کہ خواہ انہیں پکارو خواہ خاموش رہو۔(۲)

ابن قیمؒ نے کہا کہ اس مثال پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اٰتَيْنَاهُ اٰيَاتِنَا ہم نے اس کو اپنی نشانیاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی اس نعمت سے نوازا فَانْسَلَخَ مِنْهَا یہاں فَسَلَخْنَاهُ مِنْهَا نہیں کہا کہ ہم نے اس کو نکالا بلکہ وہ خود نکل گیا جس طرح سانپ اپنے جلد سے نکل جاتا ہے. یعنی خواہشات نفسانی کے چکر میں وہ اس سے نکل گیا۔

حالانکہ وہ اللہ کی آیات کی وجہ سے ہر طرح سے امن وحفاظت میں تھا، شیطان سے بالکل مأمون تھا، شیطان اس پر قابو نہیں پاسکتا تھا، سوائے اس کے کہ کبھی کبھار

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۶۵، ۱۶۶۔

(۲) اعلام الموقعین: ۱/۱۶۷

دھوکہ دیدے، لیکن جب وہ اللہ کی آیات سے ہٹ گیا تو شیطان اس پر حاوی ہوگیا اور جس طرح شیر اپنے شکار پر پورا قابو رکھتا ہے، اسی طرح شیطان نے اس پر پوری طرح قابو پالیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ — پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا

اور فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا — اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ ان (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کردیتے۔(۱)

یعنی رفعت و بلندی تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اگر چاہے تو اسی علم کے ذریعہ سے بندہ کو بلندی عطا کرسکتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں آیات کے ذریعہ جو ہم نے اس کو دیں، عزت و بلندی اور شرف و مرتبہ عطا کرسکتے تھے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سے آگاہ فرمادیا کہ رفعت و عزت محض علم سے حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ ہدایت سے محروم شخص بھی تو عالم تھا، بلکہ عزت و رفعت کا سبب حق کی پیروی، اس کے راستہ میں جاں نثاری اور مرضیاتِ خداوندی کی اتباع ہے چنانچہ یہ شخص اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم تھا لیکن وہ علم اس کے لئے کچھ بھی سودمند نہ ہوا۔

اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والے

گمراہوں، مفسدوں اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی طرف رسولوں کو ضرور بھیجتا ہے تاکہ وہ ان کو دعوت دے اور ساتھ ہی حجت بھی قائم ہوجائے، چنانچہ جو شخص راہ یاب ہوتا ہے وہ اپنے لئے، اور جو گمراہ

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۶۷

رہتا ہے اس کا وبال اسی کو پہونچتا ہے۔ اللہ رب العزت بندوں پر ظلم نہیں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح فرمایا دیا کہ اس نے رسولوں کو بھیجا، کافروں کی تکذیب کو برداشت کیا، مگر جب وہ حد سے بڑھ گئے، ظلم وزیادتی کرنے لگے اور رسولوں کو ستانے اور تکلیف پہونچانے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک وبرباد کیا، ارشاد باری ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ، اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ، قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ، قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ، قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ، وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ بیان کیجئے ایک بستی والوں کا، جب کہ ان کے پاس رسول آئے جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انہوں نے) کہا ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں وہ لوگ بولے تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو، اور خدائے رحمٰن نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے تم نرا جھوٹ بول رہے ہو۔ (رسولوں نے) کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہی گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو کھلی ہوئی تبلیغ ہے، وہ لوگ بولے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت آزار پہنچے گا، وہ رسول بولے کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی چپکی

ءَاتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ، اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ.

(یٰسین: ۱۳. ۲۹)

ہوئی ہے، کہا (نحوست) یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم ہی ہو حد سے نکل جانے والے لوگ، اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا، (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم والو (ان) رسولوں کی راہ پر چلو، ان کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور خود راہِ راست پر ہیں، اور میرے پاس عذر ہی کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹنا ہے کیا میں اسے چھوڑ کر (اور ایسے) معبود قرار دے لوں کہ اگر (خدائے) رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں، اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا سو میری سن لو، ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو وہ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کر دیا اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی

لشکر آسمان سے نہیں اتارا، اور نہ ہم کو
اتارنے کی ضرورت تھی، وہ (سزا) تو بس
ایک چیخ تھی کہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا کہ وہ اہل مکہ کے سامنے اصحاب القریہ کا قصہ جو اس آیت میں بیان کیا گیا، بیان کردیں۔

نبی کریم ﷺ مکہ میں اپنی قوم کے سامنے جس نے آپ کو جھٹلایا تھا، اس گاؤں کی مثال بیان فرمارہے ہیں، جس گاؤں کے رہنے والوں نے رسولوں کا مقابلہ، کفر وعناد اور سرکشی وہٹ دھرمی سے کیا تھا، اس گاؤں میں اللہ تعالیٰ نے دو رسولوں کو بھیجا، پھر تیسرے رسول کو بھیج کر مزید طاقت وقوت پہونچائی اور حق کی تائید کی ان رسولوں نے کہا: کہ ہم لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، اس کا جواب گاؤں والوں نے دیا کہ تم لوگ اللہ کے فرستادہ نہیں ہو، اور یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آنے والی ہے، اس لئے کہ تم ہمارے ہی طرح انسان ہو پھر کس نے تم کو ہم پر فضیلت دیدی مزید کہا کہ رحمان نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم سب کے سب جھوٹے ہو، رسولوں نے کہا: اللہ جو ہر چیز سے باخبر ہے اور ہر چیز کو دیکھ رہا ہے ہم واقعۃً اس کے رسول ہیں اگر ہم جھوٹے ہوں گے تو وہ ہم سب سے بڑا سخت انتقام لے گا، اور پھر ہم تم سے کسی دنیوی مفاد کے طالب بھی تو نہیں، ہمارا کام تو بس پیغام پہونچا دینا ہے۔

ان لوگوں نے رسولوں سے کہا ہم نے تم سے بدشگونی لی ہے، تمہاری اس جھوٹی دعوت کی وجہ سے ہم کو مصیبت سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس لئے اگر تم اپنے اس قول سے باز نہیں آئے تو تم کو ہم لوگ سنگسار کر ڈالیں گے، اور ہماری طرف سے تم کو بہت ہی سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا بلکہ قتل تک کر ڈالیں گے، رسولوں نے کہا کہ تم ہم سے بد شگونی و بدفالی مت لو، تمہارا شگون وفال یعنی خیر وشر اور تمہاری قسمت تمہارے ہی ساتھ ہے، ہماری وجہ سے اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور سمجھایا جاتا ہے تو تم الٹے بدشگونی لیتے ہو اور کفر کرتے ہو، بلاشبہ تم لوگ حد سے تجاوز

کرنے والے اور زیادتی کرنے والے ہو، کیوں نہیں تم لوگ اندھی تقلید چھوڑ کر اس پیغام کے دعوی پر غور کرتے ہو اور اپنی عقلوں کو استعمال کرتے ہو۔

یہ رسول پیغام خداوندی کو پہونچانے اور امانت کی ادائیگی میں برابر لگے رہے چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کو قبول کیا، انہیں میں سے ایک مرد مؤمن نے اپنی قوم کو رسولوں کی اتباع کی دعوت دی، معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے ایک معبود کی عبادت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر نکیر کی اس لئے وہ مرد مؤمن پکار اٹھا کہ کیوں نہ میں اس ذات کی عبادت کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا، اور مجھے یہ صورت بخشی، میں اس اللہ کے مقابلہ ایسی ذات کی عبادت نہیں کرسکتا جس کی سفارش بھی نفع بخش نہیں ہوسکتی، اور کیوں نہ میں ایسی ذات کی پناہ لوں جس کی طرف تمام مخلوق کو ثواب یا عذاب کے لئے لوٹ کر جانا ہے؟ اس کے نتیجہ میں اس کی قوم نے اس کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی اور جنت سے سرفراز فرمایا اور حکم ہوا کہ ''جنت میں داخل ہو جا''، اور اس کی قوم کو ہلاکت و بربادی اور گمراہی سے دوچار ہونا پڑا، ان کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کسی فوج کے نازل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، بس ایک چیخ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے لگائی اور وہ سب کے سب ڈھیر ہوگئے، نہ کوئی سانس باقی رہی اور نہ کسی رگ میں خون کا دوران ہی باقی رہ سکا، صرف ڈھانچے تھے جس میں نہ حرکت تھی نہ زندگی، اس مثال سے اے لوگو! اے مکہ والو! عبرت حاصل کرو کہ ظالموں کو ہلاک کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

موحد مومن اور مشرک کافر

اصولِ زندگی میں سے ہے کہ ایک جگہ ایک کام میں ایک ہی آدمی ذمہ دار ہو اور وہی ہر طرح تصرف کا مالک اور تمام امور کا نگراں ہو، باقی اس کے اردگرد جو لوگ ہوں وہ سب اس کام میں معاون و مددگار کی حیثیت رکھتے ہوں اور اپنے حقوق و ذمہ داریوں میں

اس کے احکام کے پابند ہوں، نیز راستے اور مقاصد ان کے سامنے واضح ہوں۔ اگر ایک انسان کے ایک ہی کام میں کئی ذمہ دار ہو جائیں تو پھر اس کی کوشش اور فکر و عمل رائیگاں ہو کر رہ جائے گا، اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص ایک معبود کے بجائے کئی معبودوں کی عبادت کرتا ہو اس کا کیا حال ہوگا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ، قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ، ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشَاكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.

(الزمر: ۲۷، ۲۹)

اور ہم نے اسی قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون (مثال) بیان کر دئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں، قرآن واضح جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ لوگ ڈرتے رہیں، اللہ مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں آپس میں باہم ضد رکھنے والے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ہی ایک شخص کی (ملک) ہے، تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ الحمدللہ مگر ہے یہ کہ ان میں سے اکثر سمجھتے ہی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قرآن عظیم میں جو ہر طرح کامل ومکمل ہے، انسان کی تمام دینی ضرورتوں کے سلسلہ میں مثالیں بیان کی ہیں:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸)

ہم نے اپنے رجسٹر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے

ان مثالوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس سے نصیحت حاصل کرے، اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے جو اہم اور اصل مقصد ہے کیونکہ مثالوں کے ذریعہ مقاصد کو ذہنوں سے

قریب کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اس آیت میں یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ دو غلام ہیں ایک غلام الگ الگ مزاج و طبیعت رکھنے والے ایک گروہ کی ملکیت ہے، اس میں کا ہر شخص اس غلام کو اپنی مرضی کے مطابق حکم دیتا ہے اور ہر ایک کا حکم اور اس کی ضرورت دوسرے کے حکم وضرورت سے ٹکراتی ہوئی ہوتی ہے، اب یہ بے چارہ غلام ان تمام شرکاء کے بیچ حیران و پریشان اور ششدر کھڑا ہے اس کی عقل کام نہیں کرتی کہ آیا وہ کس کو راضی کرے اور کون سا قدم اٹھائے، اسلئے کہ خواہشیں مختلف، ضرورتیں مختلف اور راستے مختلف، اس کے بالمقابل ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک مالک ہے وہ ہر طرح سے اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور اچھے طریقہ سے اس کے حکم کو بجالاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال مؤمن موحد اور کافر مشرک کی بیان کی ہے کہ مؤمن موحد کا صرف ایک معبود اللہ ہے وہ اسی کے سامنے جھکتا اور سرنگوں ہوتا ہے اور اسی کے حکم کی تعمیل کر کے خوش و مطمئن رہتا ہے۔

لیکن کافر مشرک جو کئی معبودوں کو پوجتا ہے اور مختلف قسم کے دیوتاؤں کے یہاں دوڑتا ہے وہ ہمیشہ حیران و پریشان اور شکوک وشبہات میں گرفتار رہتا ہے، وہ فیصلہ نہیں کر پاتا ہے کہ وہ کیا کرے اور کس کو راضی کرے یا سبھوں کو راضی کرنے کی کیا شکل ہوگی؟ ظاہر ہے کہ وہ سبھوں کو راضی کرنے کی سکت نہیں رکھتا ہے چنانچہ وہ ہمیشہ پراگندہ خاطر اور پریشان خیال رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہمیشہ نقصان اور الجھن میں ڈالے رہتا ہے، تو کیا یہ مؤمن موحد جو مطمئن و یکسو ہے اور مشرک کافر جو پریشان خیال اور گرفتار بلا ہے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الزمر : ۲۹)

تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ الحمد للہ مگر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

آخرت کا انکار

موت کے بعد انسان دوبارہ کیونکر زندہ کئے جائیں گے اور کون اس پر قادر ہوگا؟ ـــــ یہ سوال ہے جو کافروں اور ایمان سے محروم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ باعثِ حیرت وتعجب ہے۔

چونکہ یہ آسمان و زمین کے خالق اور دنیا کی تمام چیزوں کو ایک صحیح انداز کے مطابق عدم سے وجود میں لانے والی ذات کے منکر ہیں اس لئے ان کا انکار بڑھتا ہی جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ آخرت کی بابت تمسخر، استہزاء اور دوبارہ زندہ کئے جانے کی بابت، قدرت خداوندی کی تکذیب پر اتر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ. (یٰسین: ۷۸)

اور ہماری شان میں عجیب۔ (گستاخانہ) مضمون (مثال) بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں۔

کافروں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور اٹھائے جانے کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں بہت سی واضح آیات و دلائل بیان کئے جن کو ہر شخص جان سکتا ہے اور ادراک کر سکتا ہے مثلاً رات کے بعد دن کا آنا، سورج اور چاند کا وجود اور اس کی گردش کا نظام اسی طرح بنجر زمین کو پانی کے ذریعہ قابل کاشت بنانا وغیرہ یہ سب اللہ کی واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں لیکن یہ منکرین اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور عناد و سرکشی کی وجہ سے اپنے اس انکار پر مصر ہیں، وہ اپنی اس ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہونچ گئے کہ ان میں سے چند لوگ جن میں پیش پیش ابی بن خلف اور عاص بن وائل السہمی تھے، حضور ﷺ کے پاس کچھ

بوسیدہ ہڈیاں ساتھ لے کر آئے، اور ان میں سے ایک نے کہا: اے محمد (ﷺ) تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بوسیدہ ہڈی میں دوبارہ زندگی بخشدے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ تم کو دوبارہ اٹھائے گا اور جہنم میں داخل فرمادے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ. (یٰسین: ۷۸)

اور ہماری شان میں عجیب (گستاخانہ) مضمون (مثال) بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا کہنے لگا کون زندہ کرے گا، ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں۔

تعجب ہے ایسے شخص پر کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتا ہے اور اس کے لئے عجیب وغریب مثالیں دیتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے محمد ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے اس کو پہلی بار زندگی بخشی، تو جو بغیر کسی نمونہ کے پہلی بار بنانے پر قادر ہو وہ اس کو دوبارہ بنانے پر بدرجۂ اولیٰ اور بلاشبہہ قادر ہے بلکہ یہ اس کے لئے زیادہ آسان اور سہل ہے، اور اللہ ہی کے لئے بلند وبالا مثال ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی چیزیں بیان کی ہیں جو مردوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ. (یٰسین: ۷۱)

کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں میں مویشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن گئے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اے محمد ﷺ ان سے کہدو کہ وہی اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے تمہارے لئے سبز درختوں سے آگ پیدا کی جس کو تم روشن کرتے ہو، تو کیا جس

نے آسمان وزمین کو پیدا کیا وہ دوبارہ اسی جیسا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا ہے؟۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمان وزمین جیسی بڑی جسامت اور وسیع وعریض چیز کو پیدا کیا وہ معمولی انسان کو پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے کیونکر عاجز ہوسکتا ہے جب کہ یہ زمین وآسمان کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور حقیر ہے۔

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز سے باخبر اور ہر جگہ وہر آن موجود ہے جس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو کہتا ہے ہوجا! بس وہ چیز ہوجاتی ہے۔

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی مثال

نیکی اور بھلائی اس امت کے ساتھ قیامت تک کے لئے وابستہ کردی گئی ہے، اور نیکی وخیر کے راستوں میں ایک اہم اور وسیع راستہ انفاق فی سبیل اللہ کا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور جس کی اس نے اپنے مؤمن بندوں کو ترغیب دی ہے، اور انہیں اس کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ، اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ

وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى، وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَايُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَّايَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ.

(البقرة : ۲۶۱.۲۶۴)

کر چکے ہیں اس کے بعد احسان واذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اوران پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد میں اذیت ہو اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بردبار ہے، اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کردو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کردے (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ حاصل کرسکیں گے اپنی کمائی سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال ان لوگوں کے ثواب کے زیادہ ہونے کی بیان کی ہے جو اس کے راستہ میں محض اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اخلاص کے ساتھ خرچ کرتے ہیں کہ ان کی نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بڑھتی رہتی ہیں، پس جو لوگ رضائ الٰہی کی خاطر خیر و نیکی کے عام راستوں میں خرچ کرتے ہیں مثلاً کمزوروں، مسکینوں، محتاجوں، بیماروں، اپاہجوں، یتیموں اور بیواؤں وغیرہ کی مدد کرتے ہیں اور ان کے لئے

سہولتیں فراہم کرتے ہیں یا اسی طرح ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں جو دین کی تبلیغ، علم کی نشر واشاعت یا عوام الناس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور اس خرچ کو احسان، تکلیف، ظلم و زیادتی یا ان پر اپنی برتری وفوقیت کا ذریعہ نہیں بناتے ہیں، بلکہ اس سے ان کا مقصود محض رضاء الٰہی ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے ثواب کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے۔

اس مخلصانہ انفاق کی مثال اس عمدہ دانہ کی سی ہے جو اچھی زمین میں بویا گیا ہو اور اس سے سات بالیاں پیدا ہوئی ہوں، اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا اس کی کوشش واخلاص کو دیکھتے ہوئے اضافہ فرماتا رہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نہایت بخشش کرنے والا اور ہر شئی کا علم رکھنے والا ہے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اس پر بھی متنبہ فرمادیا کہ وہ اس عمدہ اور پاکیزہ انفاق کے بعد تکلیف پہونچانے یا احسان جتلانے کی کوئی ایسی حرکت نہ کر ڈالیں کہ جس کی وجہ سے ان کا اجر وثواب غارت ہو جائے، چنانچہ ایسے شخص کی بھی مثال بیان کردی جو عطا کرنے کے بعد احسان جتلاتا، یا تکلیف پہونچاتا ہے کہ ایسا شخص ریاکاری کے جذبہ سے خرچ کرنے والوں کی طرح ہے جس کے پیشِ نظر اللہ کی خوشنودی نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں کو خوش کرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو سخی وداتا کہیں، ایسا بدبختانہ عمل کرنے والا شخص دراصل اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے انفاق کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ .

جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو، اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کردے (ایسے لوگ) کچھ بھی

(البقرة : ۲۶۴) نہ حاصل کرسکیں گے اپنی کمائی سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھائے گا۔

یعنی ایسے شخص کی مثال جو انفاق کے بعد ایذاء رسانی کا مرتکب ہوتا ہو یا نام ونمود کے لئے خرچ کرتا ہو اس چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی ہو اور اس پر زور کی بارش ہوئی ہو جس نے اس پتھر سے مٹی کو دھو کر بالکل صاف کر دیا ہو اور پتھر جوں کا توں چکنا ہی پڑا رہ گیا ہو، اسی طرح ایسے شخص کے اعمال بھی رائیگاں اور بیکار ہو جائیں گے کہ ان کا اثر تک بھی باقی نہیں رہے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ . (البقرة :۲۶۵)

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال رضاء الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی غرض سے) ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینھ پڑا ہو پھر وہ دوگنے پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینھ نہ بھی پڑے تو ہلکی (پھوار ہی کافی ہے) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔

یہ مثال ان مومنوں کی ہے جن کو مکمل یقین اور پورا اعتماد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں گے اور ان کے ثواب کو دو چند کر دیں گے تو وہ اسی اعتماد و یقین کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے لئے اس کے احکام کے مطابق اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، چنانچہ اس انفاق کی مثال ایسے باغ کی سی ہے جو زمین کے بلند حصہ پر ہو اس پر خوب زور کی بارش ہوئی ہو جس کی وجہ سے دوسروں کے مقابلہ میں اس کا پھل دوگنا آیا ہو، اور اگر بالفرض زوردار بارش نہ ہو ہلکی ہی بارش ہوئی ہو تب بھی زمین کے بارآور اور زرخیز ہونے کی وجہ سے پھل ضرور آیا ہو، ایسا باغ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے، اور کبھی خزاں کا شکار نہیں ہوتا۔

اسی طرح مؤمن کا عمل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ضائع و برباد نہیں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا اور اس میں اضافہ فرماتا رہتا ہے وہ بندہ جب آخرت میں اپنے اس عمل کو دیکھے گا تو اسے کئی گنا بڑھا ہوا پائے گا۔

وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَاءُ — اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے عمل کا اجر و ثواب بڑھاتا رہتا ہے۔

شیطانی کاموں میں خرچ کرنے والے

جو لوگ غلط راستوں میں اور ریاکاری کے جذبہ سے خرچ کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئیگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ.

(اٰل عمران : ۱۱۷)

یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے، پھر وہ (ہوا) اس (کھیتی) کو برباد کر دے، تو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ہر شہر و ہر علاقہ کے کفار و منافقین کا رویہ تقریباً یکساں رہتا ہے ان کے دلوں میں شہرت و برتری اور مال و دولت اور اولاد میں دوسروں کے مقابلہ فخر و مباہات کا جذبہ موجزن رہتا ہے، یہ لوگ مکانوں، عمارتوں، سواریوں، لباس و پوشاک آرائش و زیبائش اور اسراف و فضول خرچی میں ایک دوسرے پر فخر کرتے رہتے ہیں اور جو موقع فخر و نمائش

کا ہوتا ہے اس میں خوب خرچ کرتے ہیں، غرض ان دنیوی مقاصد میں خرچ کرنے میں بھی شہرت طلبی، ستائش پسندی، کبر اور خودسری کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

ایسے لوگ نہ تو اللہ کے راستہ میں اجر کی امید میں خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی محبت و رحم اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے خرچ کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کے دین کی مخالفت، منکرات و برائیوں اور گمراہی و نفس پرستی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جن کو دنیا کی حرص و آز اور ہوس پرستی نے برباد کر رکھا ہے اور وہ اپنے اس انفاق میں اللہ کی خوشنودی کا ذرا بھی طالب نہیں ہوتے۔

ایسا انفاق دراصل شیطان کے راستے میں ہوتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایسی سخت ٹھنڈی اولے والی ہوا سے دی ہے جو کسی ایسی قوم کی کھیتی کو لگ جائے جنہیں اس کے پھل کا انتظار تھا اور وہ اس کھیتی کو برباد کر دے پھر وہ لوگ ہکا بکا ششدر رہ جائیں اور ان سے کچھ نہ بن پائے۔

چنانچہ ایسے لوگ جنہوں نے شیطان کے راستے میں خرچ کر کے نفع و ثواب کی امید کی جب وہ قیامت کے دن آئیں گے تو سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، جس طرح کہ وہ شخص جس کو کھیتی سے توقع ہو لیکن اولے پڑ جانے کی وجہ سے اس کی کھیتی جل کر راکھ ہو گئی ہو اور اس کھیتی سے اس کو کچھ بھی نفع ہاتھ نہ آیا ہو۔

اچھی اور بری بات

بھلائیاں ہمیشہ باقی رہتی ہیں، لوگوں کے درمیان قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، ہر نفع بخش اور اچھی چیز کا ذکر ملأ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نیکی کی تعریف فرمائی، اس کے راستے واضح کر دیئے اور لوگوں کو اس کا حکم دیا، برائی اور اس کے اسباب کو لوگوں کے لئے ناپسند کیا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے

سامنے مثالیں بیان فرمائیں ہیں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا، وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ، وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ.

(ابراهیم : ۲۴، ۲۶)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمہ طیبہ کی بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں جارہی ہیں، وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہے، اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ خوب سمجھ لیں، اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اسے کچھ بھی ثبات نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کلمہ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے اور وہ کلمۂ حق وکلمۂ اسلام ہے جب کہ کلمۂ خبیثہ کلمہ شرک ہے۔

کلمہ طیبہ کی تشبیہ شجرۂ طیبہ سے اور کلمۂ خبیثہ کی شجرۂ خبیثہ سے دی گئی کیونکہ یہ ایک محسوس شئی ہے تاکہ یہ بات عقل سے قریب ہوسکے۔

کلمہ طیبہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے کلمہ اسلام یعنی کلمہ ''اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله '' مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر خیر کی بات ہے جو انسان کے منہ سے نکلے اور لوگوں کے لئے نفع بخش ہو، اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت سے نوازتے اور اس پر اجر مرحمت فرماتے ہیں، فرشتے اس کو اوپر اٹھاتے ہیں اور اس کا اثر قیامت تک باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ طیبہ کی مثال جو انسان کے منہ سے نکلے اور دوسروں پر اس کا اثر اچھا پڑے شجرۂ طیبہ سے دی ہے جس کی جڑ زمین کی تہہ میں خوب مضبوط جمی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہوتی ہیں، اس کے پھل اپنے وقت پر حکم الٰہی سے نکلتے رہتے ہیں، اس کی مثال کھجور کے درخت سے بھی دی جاسکتی ہے کہ اس کی جڑیں زمین میں کافی مضبوط اور پیوست رہتی ہیں، شاخیں اونچی ہوتی ہیں اور پھل اچھا ہوتا ہے۔

چنانچہ کلمہ طیبہ کی جگہ دل ہے وہ مؤمنین کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتا ہے اور جگہ پکڑ لیتا ہے پھر اس کے بعد ان کے اعضاء وجوارح سے اچھے اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ دلِ مومن میں ایمان کی دلیل ہے اور یہی کلمہ طیبہ آسمان کی طرف چڑھتا چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ . (فاطر: ۱۰)

اسی تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے اور عملِ صالح اس کو بلند کرتا ہے۔

مؤمن جب بھی کلمہ حق زبان سے نکالتا ہے یا کلمہ توحید کی شہادت دیتا ہے تو فرشتے اس کو لپک کر لیتے ہیں اور لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ جاتے ہیں پھر وہاں یہ کلمہ اپنا بھرپور ثواب حاصل کر لیتا ہے۔

جب ہدایت کسی بندہ کے دل میں اتر جاتی ہے اور اس کا دل نور یقین اور اسلام سے منور ہوجاتا ہے تو پھر اس کی زبان حق وصداقت اور اچھائی کا ترجمان بن جاتی ہے اور اس سے بہت سے لوگوں کے دل روشن ہوتے ہیں، اس کی مثال اس اچھے پھلدار درخت کی سی ہے جس کے پھل سے بہت سارے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جب بندۂ مسلم اچھی بات زبان سے نکالتا ہے تو خیر اور بھلائی کے بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں اور پھر یہ بھلائی بہت سے لوگوں تک پہونچتی ہے، جس طرح کہ اچھے درخت کا پھل کتنے ہی گھروں تک پہونچ جاتا ہے۔

''کلمہ خبیثہ'' کی مثال ''شجرۂ خبیثہ'' سے دی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ حنظل (اندرائن) کا درخت ہے اس کی جڑیں زمین کے اندر تک نہیں ہوتی ہیں بلکہ زمین کی اوپری سطح ہی پر اس کے تمام ریشے اور جڑیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں جس کا اکھاڑ پھینکنا بڑا آسان ہوتا، چنانچہ یہ درخت گویا زمین کے اوپر کھڑا ہوا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا	وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے
مِنْ قَرَارٍ. (ابراهيم : ٢٦)	(اور) اسے کچھ بھی ثبات نہ ہو۔

کلمہ خبیثہ کا انجام بہت ہی بھیانک ہے اس کے ارتکاب کرنے والوں سے اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ ہے۔

''کلمہ خبیثہ'' دل کی سیاہی اور بدنیتی کا پتہ دیتا ہے، ہوس پرست اور خواہشاتِ نفسانی کے سامنے سپر انداز لوگ نیز وہ لوگ جو غلط اصول ونظریات کے داعی وعلمبردار ہیں، کلمہ خبیثہ کے حامل اور اس کے نقیب ہیں اور وہ دراصل شیطان کے اولیاء اور متبعین میں سے ہیں۔

جنت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ	جنت جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ	اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے
(الرعد : ٣٥)	سے نہریں جاری ہوں گی۔

جنت میں ہر طرف نہریں جاری ہوں گی اور جنتی جس طرح اور جہاں سے چاہیں گے نہریں پھوٹ پڑیں گی اور وہ جس رخ پر اور جہاں تک چاہیں گے نہروں کو لے کر جاسکیں گے نہ کبھی ختم ہوں گی اور نہ تنگ پڑیں گی، اور پھر یہ نہریں بھی انواع واقسام کی

ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَارٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ، وَ اَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ.

(محمد: ۱۵)

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت ہے کہ اس میں نہریں متغیر نہ ہونے والے پانی کی ہوں گی، اور نہریں ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی ہوں گی اور نہریں پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ شراب کی ہوں گی اور نہریں شہد صاف کی ہوں گی، اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی۔

جنت میں قسم قسم کے میوے اور پھل ہوں گے جو خود بھی دائمی ہوں گے اور ان کے سائے بھی ہمیشہ ہمیش رہیں گے، کچھ میووں ہی پر موقوف نہیں، جنت میں تمام ہی کھانے اور پینے کی چیزیں پائدار اور باقی رہنے والی ہوں گی وہ نہ کبھی ختم ہوں گی اور نہ کم۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ

(الواقعة: ۳۲، ۳۳)

اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی۔

اور وہ میوے جنتیوں سے بہت ہی قریب ہوں گے۔

وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلَالُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا (الدھر: ۱۴)

اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے۔

اور ان سے کہا جائے گا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (المرسلات: ۴۳)

خوب مزے سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کے صلہ میں

اور رات و دن ان کے پاس ان چیزوں کی آمد و رفت لگی رہے گی۔

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ، لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ، وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ، وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ .
(الواقعة: ۱۸. ۲۱)

آبخورے او رآفتابے اور بہتی ہوئی شراب سے لبریز جام جس سے نہ ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا، اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہوگا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا، قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا .
(الدهر: ۱۵. ۱۶)

ان کے پاس لائے جائیں گے چاندی کے برتن اور گلاس جو شیشے کے ہوں گے ، (اور وہ) شیشے چاندی کے ہوں گے جنہیں بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا،

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ وَّ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (الزخرف: ۷۱)

ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی او رگلاس (بھی) اور وہاں سب کچھ ملے گا جس کا جی چاہے گا اور جس سے آنکھوں کو لذت ملے گی، اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِيْنَ
(الصافات: ۴۵. ۴۶)

ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے (لبریز) سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ۔

اور ان کے روبرو یہ گردش کرنے والے کون ہوں گے؟

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ

اور ان کے پاس ہمیشہ لڑکے رہنے والے

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا. (الدھر : ۱۹)	لڑکے آمد و رفت رکھیں اگر تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔
وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (الطور : ۲۴)	اور ان کے پاس لڑکے آئیں گے جائیں گے جو ان کے لئے ہیں گویا وہ محفوظ موتی ہیں۔

اور وہاں جنتیوں کے لئے مسندیں ہوں گی جن پر وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (الدھر : ۱۳)	اس حال میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی۔

اور

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِيْنَ. (الواقعة: ۱۵.۱۶)	یہ (مقربین) سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اور فرمایا:

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ. (الرحمان : ۷۶)	یہ لوگ تکیہ لگائے ہوں گے مشجر، سبز اور عجیب خوبصورت، کپڑوں (کے فرش) پر۔
مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَّ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ. (الرحمان : ۵۴)	وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب ہوں گے۔

اور وہاں ان کی بیویاں بھی ہوں گی، اللہ تعالیٰ پاک دامن وعفیف عورتوں سے

ان کی شادی فرمادیں گے:

وَلَهُمْ فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ. (البقرة: ۲۵)

اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گی۔

اور ان کی یہ بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔

وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِيْنٍ (الطور: ۲۰)

اور ہم ان کی تزویج (شادی) کردیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ۔

اور یہ حوریں:

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (الواقعہ:۲۳) جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔

یعنی اپنی خوبصورتی وحسن وشفافیت میں ان تازہ موتیوں کی طرح ہوں گی جن پر گردوغبار کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہو:

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (الصفافات: ۴۹)

گویا وہ انڈے میں چھپے چھپائے رکھے ہوئے۔

یعنی جسم واعضاء کی بناوٹ وساخت میں بہت ہی متوازن اور خوبصورت ہوں گی، اور وہ:

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ . (الرحمن :۵۶) نیچی نگاہ والیاں

یعنی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور کی طرف نگاہ نہیں اٹھائیں گی اور وہ:

خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (الرحمان : ۷۰) اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں

یعنی سیرت وصورت دونوں میں بہت ہی اچھی اور بھلی ہوں گی:

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمان: ۵۸)

گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں

یعنی شفافیت میں یاقوت کے مانند اور سفیدی میں مثل مرجان ہوں گی اور وہ سب کی سب کنواریاں ہوں گی۔

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ، فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً ، عُرُباً أَتْرَاباً (الواقعة : ۳۵.۳۷)

ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے انہیں ایسا بنادیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر

ان جنتیوں سے پہلے ان کا کوئی شوہر نہیں ہوا ہوگا۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (الرحمان : ۵۶)

کہ ان لوگوں سے پہلے ان پر کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا نہ جن نے۔

اور وہ سب حوریں موتیوں کے خیموں میں اپنے شوہروں کے لئے رکی ہوئی ہوں گی، یہ ہیں جنت کی نعمتوں کے اوصاف اور ان کی تعریفیں۔

نعمتوں کی ناقدری

کفرانِ نعمت کا انجام بہت ہی برا ہوتا ہے، قرآنِ کریم میں اس کی کئی مثالیں آئی ہیں، ارشاد باری ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (النحل : ۱۱۲)

اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن واطمینان میں رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا، لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا بہ سبب ان کے کرتوتوں کے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مثال ہر اس مامون خطہ کے لئے بیان کی ہے جس کو امن واطمینان کی نعمت سے نوازا ہے، اور وہاں کے باشندے خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی گذارتے ہیں اللہ کی عطا کردہ امن کی نعمت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور اپنی جان و مال اور اہل وعیال کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے گھروں میں اطمینان سے رہتے ہیں جب کہ ان کے اردگرد اور اطراف ومضافات کے لوگ بدامنی اور بے چینی کے شکار ہیں پھر یہ کہ ان کے پاس ہر جگہ کی غذائیں آجاتی ہیں تو وہ انواع واقسام کے پھلوں اور ہر طرح کے غلوں سے فائدہ بھی اٹھاتے رہتے ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہاں کے باشندوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی، ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول آیا تو ان لوگوں نے اس کو جھٹلایا، اور جو حق اس رسول نے پیش کیا، اس سے روگردانی کی اور اس کا انکار کیا، چنانچہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خوف و بھوک سے دوچار کردیا، روزی ان پر تنگ ہوگئی اور انواع واقسام کی غذاؤں نے ان سے منہ موڑ لیا، وہ ایسی بھوک سے دوچار ہوئے جو آنتوں کو پارہ پارہ، جانوں کو ہلاک اور عقلوں کو ضائع کردے، اللہ تعالیٰ نے ان کے امن کو خوف وہراس سے بدل دیا، تو ان پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی، خود ان کی زندگی ان کے لئے وبالِ جان بن گئی، ڈر وخوف ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگیا، مسرت وخوشحالی کی زندگی پریشانی و بدحالی سے بدل گئی، زمانہ ان کی نگاہوں میں تاریک ہوگیا، ان کے دلوں میں آرزؤں کے چراغ گل ہوگئے اور ان کے افکار وخیالات ان کے عقلوں میں پتھر بن گئے، چنانچہ وہ اب نہ کوئی تدبیر ہی کرسکتے ہیں اور نہ ہی کوئی راستہ پاسکتے ہیں۔

پس غور کرو جب شہر وعلاقہ کے لوگ فساد مچانے لگیں تو پھر بلا ومصیبت کے نازل ہونے میں کیا انتظار باقی رہ جاتا ہے؟ غور کرو کہ جب فساد وبگاڑ کثرت سے ہونے لگے، تو پھر تم پر جبار وقہار کا غصہ کیوں نہ نازل ہو؟ غور کرو اے لوگو! مفسدین باہر سے تمہارے شہر میں آئے تو تم نے ان کو جگہ دی ان کا فساد عام ہوگیا اور تم نے ان لوگوں سے میل جول

قائم رکھا، اب خود غور کرو کہ اس کا عذاب کس پر ہوگا؟

کہا جاتا ہے کہ یہ مثال بلد امین "مکہ" کے باشندوں پر صادق آتی ہے کہ وہ لوگ امن وامان کے ساتھ رہتے تھے جبکہ ان کے اردگرد کے لوگ امن سے محروم تھے، ان کے پاس ہر طرح کے پھل پہونچا کرتے تھے، لیکن ان لوگوں نے ان نعمتوں کی ناقدری کی اور اپنے رسول کو شہر بدر کیا، ان کے متبعین کو تکلیفیں پہونچائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خوشحالی کو بدحالی اور ان کے امن کو خوف سے بدل دیا، اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر یہ ظلم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، پس اللہ کے عذاب سے ان کی کثرت وطاقت ان کو نہ بچا سکی۔

یہ مثال صاحب عقل وخرد کے لئے بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے شہروں کی حفاظت کریں، اپنے ماحول کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے تر رکھیں اور ان لوگوں کا راستہ روک دیں جو بددینی اور فساد وبگاڑ پر آمادہ ہیں۔

ایمان والوں کے لئے نمونہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِندَكَ بَيْتاً فِيْ الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ، وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ

اور اللہ ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جب کہ انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل (کے اثر) سے بچادے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچادے اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے) مریم

الْقَانِتِيْنَ .

(التحریم : ۱۲.۱۱)

بنت عمران کی جنہوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، تو ہم نے ان (کے چاک گریباں) میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کی اور کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لئے یہ مثال بیان کی کہ اگر انہیں کفار ومشرکین سے میل جول رکھنے کی ضرورت پڑے تو وہ رکھ سکتے ہیں، ان سے میل جول رکھنا ان کے لئے مضر نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں اور صرف ایک اللہ سے ڈریں، اس کے علاوہ کسی کا ڈر ان کے دل میں جگہ نہ پائے۔

فرعون کی بیوی اللہ پر ایمان لے آئیں اور انہوں نے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے سرکش اور طاغی فرعون کے ساتھ رہن سہن قائم رکھا، لیکن اس کے باوجود فرعون کی کفر وسرکشی نے ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچایا، اور ایمان سے پھیرنے کے لئے جتنی سزائیں انہیں دی گئیں اس سے ان کے ایمان اور اخلاص میں اضافہ ہی ہوا۔

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی پیدائش

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا، ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر چیز پر قادر ہے، مخلوق کی پیدائش کی حکمت سے وہی واقف و باخبر ہے، وہی تنہا مخلوق میں تصرف کی قدرت رکھتا ہے، وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس سے اس کے فعل کے متعلق کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔

اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے

پیدا کیا جب کہ تمام لوگوں کو ماں اور باپ سے پیدا کیا۔

جب منکرین انکار کرنے لگتے ہیں اور باطل پرست بحث وجدال شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کے لئے اپنی کتاب قرآنِ کریم میں مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ ان کے ایمان میں اور مزید اضافہ ہو، ارشاد ہوا:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ، اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ، فَمَنْ حَاجَّكَ فِیْهِ مِنْ م بَعْدِ مَاجَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِیْنَ.

(آل عمران : ۵۹. ۶۱)

بیشک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک مثل آدم کے حال کے ہے، اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر ان سے کہا وجود میں آجاؤ چنانچہ وہ وجود میں آگئے یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو (کہیں) تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا، پھر جو کوئی آپ سے اس بات میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

ان آیات کے نزول کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وفد نجران نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے رسول کو گالی کیوں دیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں؟ ان لوگوں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ اللہ کے بندہ، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے پاکدامن کنواری مریم

کی طرف ڈالا، یہ کہنا تھا کہ وہ لوگ غصہ ہو گئے اور کہا: کیا آپ نے کسی انسان کو کبھی بغیر باپ کے دیکھا؟ اگر آپ سچے ہیں تو اس کی مثال پیش کیجئے، اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے مثل ہے کہ دونوں کی پیدائش خارق عادت طور پر ہوئی ہے، آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنا کر اس میں روح پھونک دی گئی تو یہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں یہی قول صحیح اور حق ہے، اسی پر ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت ہیں، لیکن وفد نجران نبی کریم ﷺ سے بحث وجدال کرنے پر اڑا رہا اور انہوں نے اپنے اس باطل جدل وجدال کے ذریعہ حق کو بدل دینا اور باطل کو ثابت کرنا چاہا، تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی، مباہلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں فریق اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقابلہ پر آتے ہیں اور پھر دونوں مل کر ان میں سے جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس جھوٹے کو اپنی رحمت سے محروم اور دور کر دے چنانچہ آپ ﷺ حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ساتھ لے کر نکلے اور وفد نجران سے مباہلہ کا مطالبہ کیا، ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے لئے مہلت طلب کی اور مشورہ کے بعد کہا کہ جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا ہے وہ ہلاک ہو گئی، پھر دوسرے دن انہوں نے نبی کریم ﷺ سے خراج پر صلح کر لی۔

بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال

اہلِ کفر رسولوں سے کثرت سے جھگڑتے اور باطل کے ذریعہ حق کو دبانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں، بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو بغیر کسی علم وہدایت اور روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں جدل وجدال کرتے رہتے ہیں، اور بغیر کسی علم کے اللہ کے متعلق

جھگڑتے رہتے ہیں وہ شیطان مردود کی اتباع کرتے ہیں، شیاطین ان کو اس کے خلاف اُکساتے ہیں اور حق کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں، بے اصل باتیں ہیں جو پہلے سے چلی آرہی ہیں اور حق کو دبانے کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلاً إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ، وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلاً بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ، إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِيٓ إِسْرَائِيلَ ، وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ، وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ، وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ .

(الزخرف: ۵۷، ۶۲)

اور جب ابن مریم کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر (مارے خوشی کے) اچھل پڑے اور بول اٹھے کہ افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش کیا ہے اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو وہ تو بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ ان پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا تھا اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے، اور وہ تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا تو تم لوگ اس میں شک مت کرو، اور تم لوگ میری پیروی کرو، یہی سیدھی راہ ہے، اور شیطان تمہیں ہرگز روکنے نہ پائے وہ بیشک تمہارا صریح دشمن ہے۔

سورۂ زخرف میں کافروں کی پانچ افترا پردازیوں کا ذکر ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے رد کیا ہے اور ان کی ان افترا پردازیوں کو باطل قرار دے کر ان کو مُسکت جواب دیا ہے۔

پہلی چیز یہ کہ انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے بعض کو اللہ کی اولاد ٹھہرایا:

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ (الزخرف:۱۵)	اور ان لوگوں نے اللہ کا جزء اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرالیا، بیشک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ (الزخرف: ۱۹)	تو کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے، ان کا دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگئی۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہیں کرتے، اس کا رد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (الزخرف: ۲۰)	انہیں اس بارے میں کچھ بھی تحقیق نہیں، محض اٹکل سے کام لے رہے ہیں۔

یعنی وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

چوتھا ان کا یہ کہنا کہ یہ قرآنِ کریم ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (الزخرف: ۳۲)	تو کیا آپ کے پروردگار کی رحمت (خاصہ) کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا تو کفار شور وغل مچانے اور چیخنے چلانے اور خوشی ومسرت میں ایک دوسرے پر اچھلنے کودنے لگتے تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ عبداللہ بن زبعری نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ (ﷺ) نے کہا ہے کہ ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ''، یعنی تم اور تمہارے معبودان باطل جہنم کے ایندھن ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے کہا

ہے، اس پر ابن زبعری نے کہا کہ کیا یہود عزیر (علیہ السلام) اور نصاریٰ عیسیٰ (علیہ السلام) اور بنو ملیح فرشتوں کو نہیں پوجتے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلکہ وہ لوگ شیطان کی عبادت کرتے ہیں، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (الانبیاء: ۱۰۱)

بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے۔(۱)

ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) نبی ہیں اور اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں، دوسری طرف نصاریٰ عیسیٰ (علیہ السلام) کی پرستش کرتے ہیں تو گویا عیسیٰ (علیہ السلام) بھی جہنم میں جائیں گے اور ہم اس کے لئے بخوشی تیار ہیں کہ ہم اور ہمارے معبودان عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے ساتھ رہیں، اس بحث ومباحثہ پر قریش بہت خوش ہوئے، اور تمسخر آمیز ہنسی اور قہقہوں کے ساتھ آوازیں بلند کرنے لگے، گویا اپنے خیال میں وہ محمد ﷺ پر غالب آ گئے، لیکن ان کا اصل مقصد اس سے باطل کی ملمع سازی تھی جس سے کوئی کم عقل ہی دھوکا کھا سکتا ہے، وہ اس طرح کی مثالیں پیش کر کے حق کو دبانا چاہتے تھے ان کی خواہش تھی کہ اس طرح کی مثالیں دے کر اپنی پھونکوں سے نور الٰہی کو بجھا دیں، مگر:

وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (التوبة: ۳۲)

اللہ کو نامنظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار گذرے۔

یہ قوم ہی جھگڑالو اور ہٹ دھرم ہے یہ محض جھگڑے اور بحث وجدال کرنے کے لئے اس طرح کی مثالیں دیتے ہیں، ورنہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جو اللہ کے نیک بندہ ہیں جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے وہ کیوں کر جہنمیوں کی فہرست میں ہو سکتے ہیں؟ لیکن وہ اس علوشان اور رفعت ومنزلت کے باوجود عبادت کے مستحق

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۰۸ مذکورہ آیت

نہیں ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو حضرت مریم کی طرف ڈالا گیا اور جو اپنی معجزاتی پیدائش کے اعتبار سے روح اللہ کہے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک مثال بنایا کہ بغیر باپ کے پیدا کر کے آپ کے ذریعہ اپنے ایک تخلیقی کمال کا اظہار فرمایا اور آپ کو نمونہ بنا کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔

مومنوں کی آزمائش پچھلی قوموں کی طرح

ماضی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے متبعین کو آزمایا اور ان کا امتحان لیا، اور ان کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنایا:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو متنبہ کیا کہ تم لوگ اس جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ہو جب تک تمہیں خوب آزما اور امتحان نہ لے لیا جائے، جس طرح کہ تم سے پہلے نیک بندوں کے ساتھ کیا گیا اور ایسا اس لئے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے الگ کر دے، تو کیا تم لوگ صبر کرو گے اور حمد بجالاؤ گے اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ قسم قسم اور طرح طرح کی مصیبتیں نازل فرماتا ہے مثلاً بیماریاں، دکھ، درد، فقر و فاقہ، قحط و خشک سالی، بھوک، دشمنوں کا خوف و ہراس، بدامنی اور ان کے علاوہ بہت سے المناک حادثات وغیرہ، لیکن یہ سب دراصل مسلمانوں کی آزمائش اور ان کے امتحان کے لئے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

الٓمٓ ، أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت : ۱، ۲)

الف، لام، میم، کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو ضرور بالضرور آزمائے گا، اور ان کا یہ امتحان بھی

ان کے ایمان کی پختگی کے اعتبار سے ہوگا چنانچہ صحیح حدیث میں آیا کہ "اَشَدُّ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ، ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ "(۱) یعنی سب سے زیادہ انبیاء آزمائے جاتے ہیں، پھر صلحاء پھر درجہ بدرجہ دیگر لوگ گویا ان کی دینداری کے لحاظ سے ان کی آزمائش ہوتی ہے جن کا ایمان جتنا زیادہ پختہ ہوتا ہے، ان کی اتنی ہی سخت اور کڑی آزمائش ہوتی ہے۔

اور اس آزمائش سے نہ کوئی نبی ورسول مستثنیٰ قرار پایا ہے اور نہ ہی کوئی اللہ کا نیک بندہ، بلکہ مخلوق کے اندر اللہ کی یہ ایک سنت رہی ہے، ارشاد باری ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا. (البقرہ: ۲۱۴)

کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے درآنحالیکہ (ابھی) تم پر ان لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، انہیں تنگی اور سختی پیش آئی اور انہیں ہلا ڈالا گیا۔

اور سچ کہا اللہ نے کہ

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا . (فاطر: ۴۳)

آپ کبھی اللہ کے دستور کو بدلتا ہوا نہ پائیں گے۔

چنانچہ غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، قرآن کریم میں ہے،

إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً

جب کہ وہ لوگ تم پر آ پڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۴۶/۲۴

شَدِيْداً، وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُوراً (الاحزاب : ۱۰. ۱۲)

گمان کر رہے تھے اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اس دن کی سختی اور زبردست مصیبت جس نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا، سے تنگ آ کر مسلمان اپنے دشمنوں پر فتح چاہنے لگے اور اس تنگی اور شدت سے جلد نکلنے کی دعائیں مانگنے لگے، اللہ نے فرمایا:

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرة: ۲۱۴)

سن رکھو! اللہ کی امداد یقیناً قریب ہی ہے

امتِ محمدیہ کے لئے انتباہ

نبی کریم ﷺ نے اپنی قوم اور تمام لوگوں کو اس بات سے آگاہ و خبردار کیا کہ اگر وہ اس دعوت اسلام سے اعراض کریں گے اور اپنے کفر و شرک پر اڑے رہیں گے تو کہیں ان پر عاد و ثمود کی طرح سخت عذاب نازل نہ ہو جائے، اللہ نے سورۃ ''حم السجدۃ'' میں فرمایا:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ، إِذْ جَاءتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰهَ

تو اگر یہ لوگ (اب بھی) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد و ثمود (پر آئی تھی) جب کہ ان کے پاس ان کے

قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ
(حم السجدة: ۱۳. ۱۴)

پیمبر آئے تھے ان کے آگے سے بھی اوران کے پیچھے سے بھی کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو، وہ بولے اگر ہمارے پروردگار کو یہی منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا، تو ہم تو اس (پیام) کے منکر ہیں جسے دے کر تم بھیجے گئے ہو۔

عاد نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، رسولوں کی نافرمانی کی، ہر سرکش و جابر کی بات پر چلے، زمین پر ناحق کبر کیا اور کہا کہ ہم سے بڑھ کر طاقت ور کون ہوسکتا ہے؟

کیا وہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ وہ کس سے دشمنی مول لے رہے ہیں؟ وہ بہت ہی عظیم، طاقتور اور آسمان و زمین کا جبّار ہے وہ سخت گرفت کرنے والا اور سزا دینے والا ہے، ان لوگوں نے خدائے جبار سے دشمنی کی ہے ان کی آیات کا انکار کیا، اور اس انکار و سرتابی میں حد سے بڑھ گئے، اپنے رب کے حکموں سے سرکشی کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔

چنانچہ سخت ٹھنڈی جھنجھوڑ دینے والی ہوا چلی جو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی، اس کی ابتداء بہت ہی منحوس دن سے ہوئی اور اس طرح سے برابر جاری رہی کہ ایک ایک کر کے تمام لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیا وہ لوگ زمین پر اس طرح سے پڑے ہوئے تھے کہ گویا کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں، انہیں اس دنیاوی رسوائی کے علاوہ آخرت کے عذاب کا بھی مزہ چکھنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ
(حم السجدة: ۱۶)

کہ ہم انہیں (اسی) دنیوی زندگی میں عذاب رسوائی کا مزہ چکھا دیں، اور عذاب آخرت تو رسواتر ہوگا، اور انہیں (کوئی) مدد نہیں پہنچ سکے گی۔

یعنی نہ دنیا میں ان کی کسی طرح کی مدد ہوئی اور نہ آخرت میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے عذاب کے سلسلہ میں فرمایا:

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ، تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ.

(الاحقاف: ۲۴. ۲۵)

پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو بولے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا، نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے یعنی ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کردے گی، چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہیں رہا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَأُتْبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ عَاداً كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْداً لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ

(هود: ٦٠)

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خوب سن لو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ ہود کی قوم عاد کو دوری (نصیب) ہوئی۔

قوم ثمود نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی حق کے واضح طور پر آجانے کے باوجود ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو ترجیح دی، چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کی، رسولوں کو جھٹلایا، ان کی مخالفت کی، اور اونٹنی جس کو اللہ نے نبی کی سچائی کی علامت و نشانی قرار دیا تھا اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، چنانچہ وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے

ان پر سخت بھونچال، گرج اور ذلت ونکبت کا عذاب مسلط فرمادیا، اوران کے مکروفریب نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا، ذلت کے عذاب نے انہیں ان کے کرتوت کی وجہ سے آدبوچا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی رسوا کیا اور وہ آخرت میں بھی نقصان اٹھائیں گے۔

یہ اس قوم کی مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی تو ان کو ہلاک و برباد کر دیا اور وہ دنیاوی زندگی میں ذلت سے دوچار ہوئے اور آخرت میں تو اس سے کہیں زیادہ ذلت ورسوائی ہوگی ہی، اوران کی کسی طرح کی مدد بھی نہیں کی جائے گی!!

فرعون اوراس کی قوم کی ہلاکت

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف اپنے رسول وکلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اوران کو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ذریعہ قوت وطاقت اور تائید ومدد عطا فرمائی:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِأَخِیکَ (القصص:۳۵)

(اللہ نے) فرمایا، ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں،

چنانچہ روشن آیات کے ذریعہ ان دونوں کی تائید فرماتے رہے جو فرعون اوراس کی قوم کے سامنے پے درپے آتی رہیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں لیکن:

فَلَمَّا جَاءهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ، وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الزخرف: ۴۷،۴۸)

لیکن جب وہ ہمارے نشانات لے کر آئے تو ان لوگوں نے کیا کیا کہ لگے ان پر ہنسنے اور ہم ان کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا کہ شاید وہ باز آجائیں

لیکن فرعون نے سرکشی کی اور عہد شکنی کرتا رہا، رسولوں پر الزام لگایا اور اپنی قوم کو پکار کر کہنے لگا اے میری قوم کیا یہ مصر کی بادشاہت میری نہیں؟ اور کیا یہ نہریں میرے نیچے سے جاری

نہیں ہیں؟ کیا تمہیں نظر نہیں آتا، اور اس نے اپنی قوم میں ببانگ دہل اعلان کیا کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی" میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں غرض فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں فساد برپا کر دیا، کفر کیا، قتل کیا، لوٹا کھسوٹا اور طرح طرح کی سرکشی کی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ . (الزخرف:۵۵)	پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

یعنی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور اپنے بُرے اعمال سے باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ہی برے عذاب میں مبتلا کر دیا اور سبھوں کو غرق کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد کے کفار و مشرکین اور عام لوگوں کے لئے ایک مثال اور باعثِ عبرت و موعظت بنا دیا، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفاً وَمَثَلاً لِلْآخِرِينَ (الزخرف :۵۶)	تو ہم نے انہیں پچھلوں کے حق میں (ایک خاص قسم کا) پیش رو اور نمونۂ (عبرت) بنا دیا۔

تو اے اہل مکہ اور ہر زمانہ و خطہ کے کافرو! غور کرو کہ تم جیسے ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ ان پر ایسی ہلاکت و بربادی نازل ہوئی جس نے انہیں بالکل ہی نیست و نابود کر دیا۔ اور اے ایمان والو اللہ پر بھروسہ کرو وہ تمہاری اسی طرح مدد کرے گا جس طرح اس نے ماضی میں رسولوں کے متبعین کی مدد کی ہے۔

انتشار و افتراق

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انتشار و افتراق اور مکمل طور پر ضائع و برباد ہو جانے کی بھی مثال بیان کی ہے، یہ مثال قصہ سبا کے ذکر میں آئی ہے، آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق

یہ شخص عرب کا رہنے والا تھا، یہ دردناک عذاب اس کی اولاد پر نازل ہوا جب انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور اپنی قوم کو دوزخ میں جا گرایا، حالانکہ وہ برابر نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف امن واطمینان کے ساتھ سفر کرتے رہے، انہیں نہ تو اپنے نفس پر کسی طرح کے ظلم کا خوف تھا اور نہ ہی بھوک و پیاس کا اندیشہ۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوا فِيْهَا لَيَالِيَ وَأَيَّاماً آمِنِيْنَ . (سبا:۱۸)	اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی بستیاں آباد کر رکھی تھیں (دور سے) نظر آنے والی، اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا سفر کرو ان میں رات اور دن بے کھٹکے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے نعمتوں کی ناقدری کی اور تکبر کیا انہیں خوشحالی اور پے در پے نعمتوں کے حصول نے دھوکہ میں ڈالدیا تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مسافت سفر کو طویل فرمادے اور ان کی بستی جو یمن میں تھی اور وہ بستی جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی یعنی ملکِ شام جس میں پانی و درختوں کی کمی نہیں تھی ان دونوں بستیوں کے درمیان چٹیل میدان اور جنگلات کر دے تا کہ سواریوں پر سوار ہو سکیں اور زادراہ ساتھ لے کر چلیں، چنانچہ اس ناقدری اور احکام الٰہی سے روگردانی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا شیرازہ منتشر کر کے رکھ دیا، ارشاد فرمایا:

فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ . (سبا:۱۹)	تو ہم نے انہیں افسانہ بنادیا

یہاں تک کہ ان کا نام انتشار وافتراق اور ہلاکت و بربادی کے لئے ضرب المثل کا درجہ اختیار کر گیا کہا جاتا ہے کہ ''تَفَرَّقُوْا كَأَيْدِيْ سَبَا'' قومِ سبا کی طرح منتشر و برباد ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا، ان کی عزت وعظمت، دولت وثروت اور خود ان کے وطن کو ختم کر دیا، اور ان کو مختلف علاقوں اور خطوں میں منتشر کر دیا، یہ سب احکام خداوندی سے اعراض اور نعمتوں کی ناقدری وتکبر کا نتیجہ تھا، سورہ سبا

میں اس کا مفصل تذکرہ ہے، سبا ہی کے نام پر اس سورہ کا بھی نام ''سبا'' پڑ گیا کہ اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے بڑی عبرت ونصیحت ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِيْنٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ، فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيْلٍ ، ذَلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِيْ إِلَّا الْكَفُورَ ، وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوا فِيْهَا لَيَالِيَ وَأَيَّاماً آمِنِيْنَ ، فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِيْ ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ، وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيْسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيْقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(سبا: ۱۵، ۲۰)

سبا (والوں) کے لئے ان کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا، دو (قطاریں تھیں) باغ (کی) داہنے اور بائیں کھاؤ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق اور اس کا شکر کرو، عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار، سو انہوں نے سرتابی کی سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے عوض دو باغ دیئے جو بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے، انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں، اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی بستیاں آباد کر رکھی تھیں (دور سے) نظر آنے والی، اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا، سفر کرو ان میں رات اور دن بے کھٹکے، پھر وہ کہنے لگے کہ اے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ

بنادیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا، بیشک اس (واقعہ) میں ہر صابر شاکر کے لئے نشانیاں ہیں اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں صحیح پایا، چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو گئے بجز ایمان والوں کے گروہ کے۔

حاملین تورات۔ چار پائے بر و کتابے چند

یہود جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کی پیروی سے انکار کیا بلکہ ان کو تکلیفیں پہونچائیں اور بہت سے نبیوں کا قتل تک کیا، زمین میں فساد مچایا، اور توریت جس میں ہر طرح کی ہدایات و ہر چیز کی تفصیل تھی دیئے جانے کے بعد اس کو پسِ پشت ڈال دیا، ان کی قرآنِ کریم میں بہت ہی بری مثال بیان کی گئی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ.

(الجمعه : ۵)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو (کیسی) بری مثال ہے اس قوم والوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں یہود کے بُرے کرتوت کی مذمت کرتے ہوئے فرمائی، ان کے یہ کرتوت اور اعمال قیامت کے دن کچھ بھی سود مند نہ ہوں گے، اور وہ اسی کی وجہ سے نقصان و خسارہ کے مستحق ہوں گے۔

یہ اس وجہ سے کہ یہود کو اللہ کی کتاب تورات دی گئی جس میں دنیا و آخرت کے نفع کے لئے ہر طرح کے علوم، اللہ تعالیٰ کے اثبات پر حقائق و براہین اور صراط مستقیم پر چلنے کے واضح طریقے موجود تھے اور انہیں کہا گیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں، اس کے مطابق زندگی کو استوار کریں اور لوگوں میں اس کی اشاعت و تعلیم کا کام انجام دیں لیکن انہوں نے اپنی طبعی سرکشی کی بنا پر اس میں کوتاہی کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر کتابیں لدی ہوں کہ وہ اس کو نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے اور نہ ہی وہ چیز اس کے لئے فائدہ مند ہے بس وہ ایک بوجھ سمجھ کر اس کو بغیر کسی استفادہ کے اٹھائے پھرتا ہے۔

چنانچہ وہ احکام الٰہی کی عدم تعمیل اور شیاطین و خواہشات کی غلامی کی وجہ سے گدھے سے بھی بدتر ہیں اس لئے کہ گدھا غیر ذی عقل ہے اور یہ صاحب عقل و فہم ہو کر بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔

دو باغ والے

بہت سے مشرکین اور متکبرین کمزوروں اور مسکینوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے مال و دولت کی وجہ سے ان پر اپنی برتری ظاہر کرتے ہیں، یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کی حالت رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے شخصوں کی ایک مثال بیان کی ہے کہ دو ساتھی تھے ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگور اور قسم قسم کے پھلوں کے باغ عطا کئے تھے اور ان باغوں کے چاروں طرف کھجور کے بہترین درخت لگے ہوئے تھے۔

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ — اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا۔ (الکھف : ۳۲)

ان باغوں میں کھیتیاں بھی ہوا کرتی تھیں گویا میوے اور غلے دونوں طرح کی روزی

بغیر کسی کم وکاست کے بسہولت حاصل تھی، نیز ان باغوں کے درمیان سے نہریں جاری تھیں جس سے باغوں کی سینچائی ہوا کرتی تھی، غرضیکہ پھل خوب اچھے اور زیادہ ہوا کرتے تھے، لیکن اس کو اپنے اس مال و دولت پر دھوکہ ہوا، اور اس نے اپنے ایک فقیر وغریب ساتھی سے بحث کرتے ہوئے فخریہ اور متکبرانہ انداز میں کہا کہ میں تم سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور دنیاوی زندگی کی عزت وشان میں بھی بڑھا ہوا ہوں کہ میرے پاس خدم وحشم اور مال واولاد ہیں۔

پھر جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو اس کی شادابی اور وسعت کو دیکھ کر اس کے غرور میں مزید اضافہ ہی ہوا، دنیاوی زندگی اور اس کی زیب وزینت اسے خوب بھانے لگی، اور وہ آخرت اور اپنے رب کے حضور حاضری کا انکار کرنے لگا، یہ اس کی کم عقلی اور ناسمجھی تھی۔

چنانچہ اللہ پر اس کا یقین کمزور ہو گیا، اور وہ کہنے لگا، میرا خیال ہے کہ یہ باغ کبھی نہ ختم ہوگا اور نہ ہی ہلاک و برباد ہوگا، پھر اس کی سرکشی اس حد تک بڑھی کہ کہنے لگا میرا خیال ہے قیامت برپا ہی نہیں ہوگی، گویا وہ باغ کے فانی ہونے سے انکار کے بعد اب مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا بھی انکار کرنے لگا، مزید آگے بڑھ کر اس نے یہاں تک کہہ دیا :

وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا. (الکھف : ۳۶)	اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا۔

یعنی اس نے اپنی دنیوی مالداری کے دھوکہ میں کہا کہ اگر قیامت ہوئی بھی اور اللہ کے پاس لوٹ کر جانا بھی ہوا تو وہاں بھی میرے لئے میرے رب کے پاس اس سے اچھا ہی سب کچھ ہوگا، اس لئے کہ اگر اس کے نزدیک میری عزت نہ ہوتی تو اس نے یہ ساری چیزیں مجھے عطا نہ کی ہوتیں۔

اس وقت اس کے ساتھی نے جواب میں کہا :

وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ	اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے جس نے

ثُمَّ سَوّاکَ رَجُلا. تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا۔ (الکھف : ۳۷)

اس جواب میں تردید کے ساتھ رب کی نافرمانی کی سنگینی بھی جتائی گئی ہے کہ جس رب نے اس کو پیدا کیا اور مٹی سے بنے ہوئے انسان (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) کے ذریعہ سلسلۂ تخلیق کی ابتداء کی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ایک بے قدر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا پھر اس نے تم کو ایک مکمل وکامل الأعضاء تندرست مرد بنادیا، یہی اتنی دلیل کافی ہے کہ وہ تم کو دوبارہ اٹھا سکتا ہے۔

وہ اللہ جو ابتداء آفرینش پر قادر ہے وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے تو تم کیسے اپنے رب وخالق کا انکار کررہے ہو، حالانکہ اس کی دلیلیں تمہارے اوپر صاف واضح اور روشن ہیں، مخلوقات میں سے ہر ایک کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ نیست سے ہست ہوا اور اس کا وجود بذات خود نہیں ہوا ہے اور نہ ہی مخلوقات میں سے کسی کے سہارے ہوا ہے اس لئے کہ وہ سب کے سب یکساں حال کے مالک ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی نسبت اس کے خالق کی طرف ہے اور وہ خالق صرف اللہ ہے۔

لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ کوئی معبود نہیں بجز اس کے ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ (الانعام : ۱۰۲)

اسی لئے اس مؤمن نے اپنے ایمان کو واضح کرتے ہوئے اور اپنے خالق ومعبود ''اللّٰہ وحدہ ، لاشریک لہ'' کے ساتھ شرک کی نفی کرتے ہوئے صاف کہدیا :

لَّكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّیْ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّیْ أَحَدا لیکن میرا تو یہ (عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (الکھف : ۳۸)

اور اپنے ساتھی کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ تمہارے لئے بہتر صورت تو یہ تھی کہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے اور وہ تم کو خوشنما لگا تو تم ماشاء اللہ کہتے اور مال واولاد (جس سے

دوسرے محروم ہیں) کے نوازے جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ، یہی وجہ ہے کہ بعض سلف نے کہا ہے : انسان کو جب مال، اولاد یا کوئی حالت اچھی لگے تو اس کو " مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ " کہنا چاہئے پھر اس بندۂ مؤمن نے اللہ سے اپنے لئے آخرت میں اپنے ساتھی کے باغ سے بہتر کی درخواست کی اور اس کے سلسلہ میں اندیشہ کا اظہار کیا :

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالاً وَوَلَداً ، فَعَسَى رَبِّيۤ أَن يُؤْتِيَنِ خَيْراً مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَاناً مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْداً زَلَقا

(الكهف : ٣٩ ، ٤٠)

اور تو جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے اور کسی میں) کوئی قوت نہیں بجز اللہ (کی مدد) کے۔ (اور) اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دیدے، اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا آسمان سے عذاب آیا، زبردست بارش ہوئی جس نے کھیتی اور درختوں کو اکھاڑ پھینکا، پوری زمین چکنی ہوگئی جس میں نہ کچھ پیدا ہوسکتا تھا اور نہ ہی اس پر پاؤں جم سکتے تھے، اور پانی بالکل نیچے اتر گیا کہ اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ .

(الكهف : ٤٢)

اور اس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا۔

اور وہ کافر و متکبر اپنے باغ کی بربادی کو دیکھ کر مارے شرم کے کفِ افسوس ملنے لگا اور اس باغ کی تعمیر و اصلاح میں خرچ کئے ہوئے مال پر سر پیٹتا رہ گیا۔

اس کے خاندان والے اور آل و اولاد جن پر وہ فخر کرتا تھا کچھ بھی اللہ کے مقابلہ

میں مدد نہ کر سکے، چنانچہ وہ زبردست خسارہ اور نقصان کا شکار ہو گیا۔

دنیاوی ساز و سامان کی وجہ سے تکبر اور لوگوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اہل ضروان کی عبرتناک داستان

یہ ایک بہت واضح اور روشن مثال قرآنِ کریم نے سورہ ''قلم'' میں اہل ضروان کے متعلق پیش کی ہے، ضروان یمن کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام ہے، یہ قصہ احادیث و روایات میں بکثرت وارد ہوا ہے، یہ ان باغ والوں کا قصہ ہے جن کے گناہوں کی وجہ سے ان کا باغ جل کر راکھ ہو گیا، ان لوگوں نے اپنے نیک دل باپ کی وصیت کی نافرمانی کی تھی، یہ ان چند سرکش نوجوانوں کا قصہ ہے جنہیں دنیوی زندگی نے دھوکہ میں رکھا، مال نے اندھا کر دیا اور اس کی محبت نے سرکش بنا دیا تھا، تو ان کا مال ہلاک ہو گیا اور ان کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔

یہ مثال اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے لئے بیان فرمائی کہ اللہ نے انہیں بعثت نبوی علی صاحبہا السلام جیسی بڑی رحمت اور بیش بہا نعمت سے سرفراز فرمایا مگر انہوں نے اس کا مقابلہ تکذیب، انکار اور جنگ سے کیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ . (القلم:۱۷) ہم نے ان کی آزمائش کر دی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی،

اس باغ کا مالک ایک بہت ہی سخی اور نیک آدمی تھا، وہ پھلوں کے توڑنے اور کھیتوں کے کٹنے کے دن اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے فقراء و مساکین کو خوب خوب دیا کرتا تھا، اس نے ان فقراء و مساکین کے لئے ایک حصہ مقرر کر رکھا تھا جس میں ہر سال اضافہ کرتا رہتا تھا، اسی طرح باغ کے بچے کھچے اور اِدھر اُدھر گرے پڑے پھلوں کو بھی فقراء و مساکین کے لئے چھوڑ دیتا تھا جس کی مقدار اچھی خاصی ہوتی تھی اور انہیں

سال بھر کے لئے کافی ہوجاتا تھا، وہ فقراء بھی اس کے عادی ہو چکے تھے۔

یہ شخص اپنے گاؤں اور اطراف کے باغ والوں اور مالداروں کے لئے سچا نمونہ تھا، لوگ اس کی پیروی کرتے تھے اور اس کے تجربے اور معلومات سے فائدہ اٹھاتے تھے، اس کا باغ محتاجوں کا ٹھکانہ اور مسافروں کے لئے میزبانی کی حیثیت رکھتا تھا۔

یہ شخص بیمار ہوا، اور اس نے اپنے نوجوان بیٹوں کو اپنے بعد فقراء و مساکین کے ساتھ رحمدلی اور حسنِ سلوک کرنے کی وصیت کی اس نے یہاں تک کہا کہ میرے مرنے کے بعد اہل حاجت اپنی نگاہوں سے سوائے میری ذات اوجھل ہونے کے اور کچھ کمی محسوس نہ کریں، لیکن ابھی اس شخص کو قبر میں اتارا بھی نہیں گیا کہ لڑکوں نے نصیحت کو فراموش کر دیا اور ان کی وصیت کو انہیں کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا، چنانچہ اس باغ کے پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کا زمانہ ابھی ٹھیک سے آیا بھی نہیں کہ ان لوگوں نے فقراء و مساکین کے خلاف باہم مشورہ وسازش کی اور ان کو ان کے اس حق سے (جس کے وہ ان کے نیک دل باپ کے زمانہ میں عادی تھے) محروم کر دیا، ان لوگوں نے پختہ ارادہ کیا اور قسمیں کھائیں کہ باغ کی طرف صبح سویرے تاریکی ہی میں نکل جائیں گے اور پھل جمع کر کے فقراء کے پہونچنے سے پہلے واپس لوٹ آئیں گے۔

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ . (آل عمران : ۵۴)

اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے،

لیکن اللہ کی طرف سے انہیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جن کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا، وہ اللہ کو بھول گئے تھے، ان میں سے ایک کے علاوہ کسی نے اللہ کو یاد بھی نہیں کیا، یہ بیچارہ ان میں کا نسبۃً بہتر اور زیادہ عقلمند تھا، اس نے ان سبھوں کو ڈرایا اور باپ کی نصیحت یاد دلائی، مگر یہ تذکیر و یاد دہانی ان کے لئے سودمند نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ پر ایسی آگ بھیج دی جس نے پورے باغ اور کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور وہ سب ان

تمام چیزوں سے محروم ہوگئے تب جا کر انہیں ہوش آیا اور اپنے کرتوت پر پشیماں ہوئے مگر اب اس سے کچھ حاصل نہیں، قرآنِ کریم نے اس پورے واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ، وَلَا يَسْتَثْنُونَ ، فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ، فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ، فَتَنَادَوا مُصْبِحِينَ ، أَنِ اغْدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ، فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ، أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ، وَغَدَوْا عَلَى حَرْدٍ قَادِرِينَ ، فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ، بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ، قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ، قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ، فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ، قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ، عَسَى رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْراً مِّنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ،

ہم نے ان کی آزمائش کردی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا تھا، سو اس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھر نے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے، تو وہ (باغ) ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے غرض وہ چلے اور آپس میں باتیں چپکے چپکے کرتے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے، اور وہ اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھے، تو جب اس (باغ) کو دیکھا تو بول اٹھے کہ ہم یقیناً راستہ بھول گئے نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی پھر ان میں سے جو (نسبتہً) بہتر تھا وہ بولا کہ کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا سو

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ. (القلم: ۱۷. ۳۳)

(اب) تسبیح کیوں نہیں کرتے ہو؟ وہ لوگ بولے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بیشک ہم ہی قصور وار ہیں، پھر ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے باہم الزام دیتے ہوئے (پھر سب) بولے (کہ) ہائے ہماری شامت کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے، شاید کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر (باغ) بدلہ میں دیدے ہم تو (اب) اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں، عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے کاش یہ لوگ (اسے) جان لیتے۔

☆

☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

ان جاہل بیٹوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر بھید و سرگوشی سے واقف ہے، اس سے کسی چیز کا چھپانا محال و ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ اور اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے،

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ. (المومن: ۱۹)

(اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ سینہ میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی،

بعض کفار مکہ آپس میں جہالت و گمراہی کی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ زور سے باتیں نہ کرو کہ کہیں محمد (ﷺ) کے معبود سن نہ لیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ. (الملک: ۱۳)

اور تم لوگ خواہ چھپا کر کہو یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے۔

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ مثالیں

بے حقیقت دنیا

انواع واقسام کے لذیذ وخوش ذائقہ کھانے پینے کی چیزیں لوگ جس کے دلدادہ اور جس پر فریفتہ ہیں اور جس کو فخر ومباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ذرا اس کے انجام پر غور کریں کہ بنی آدم (انسان) کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔

ٹھیک یہی مثال دنیا کی ذلت ودناءت اور کمتری وبے وقعتی کی ہے جس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مَطْعَمَ ابْنِ اٰدَمَ قَدْ ضُرِبَ لِلدُّنْیَا مَثَلاً فَانْظُرْ مَا یَخْرُجُ مِنْ اِبْنِ اٰدَمَ ، وَ اِنْ قَزَّحَهٗ وَمَلَّحَهٗ قَدْ عُلِمَ اِلٰی مَایَصِیْرُ.

(المعجم الکبیر للطبرانی عن أبی بن کعبؓ : ۱/۱۹۸)

انسان کے کھانے کی چیزوں کو دنیا کے لئے بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ انسان اس میں مسالہ ونمک ملا کر تیار کرتا ہے، پھر اس کا جو انجام ہوتا ہے اس پر غور کرلو۔

پس دنیا سرسبز وشاداب خوش ذائقہ وبارونق ہے، انسان کا نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اور انجام سے بے خبر اس کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

اب جب کہ دنیا اس درجہ گھٹیا اور گری ہوئی چیز ہے تو ایک انسان اس سے کیا توقع رکھ سکتا ہے؟ وہ اس کے ذریعہ مرتبہ ومقام اور عزت وشرف کا خواہاں ہے؟ اگر دنیا اس کو تھوڑی دیر کے لئے کچھ دیتی بھی ہے تو پھر وہ چھن جاتی ہے اور اس کا انجام سوائے کھلے ہوئے خسارہ کے کچھ نہیں ہوتا۔

دنیا کے ساتھ نبی ﷺ کا معاملہ

آپ ﷺ کو دنیا سے نہ تو محبت والفت تھی اور نہ اس سے ادنی تعلق تھا کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کی خواہش کرتے، بلکہ آپ ﷺ متاع دنیا سے ایک دن کے لئے بھی مطمئن نہیں ہوئے کیونکہ آپ ﷺ کو اس کی حالت کا یقینی علم تھا کہ یہ گزرگاہ ہے اقامت گاہ نہیں، اور انسان بہت جلد اس کو چھوڑ کر کوچ کر جانے والا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی اور دنیا کی مثال یوں بیان فرمائی:

مَالِی وَلِلدُّنْیَا، مَا مَثَلِی وَ مَثَلُ الدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ سَارَفِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ، فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَهَا

(مسند احمد عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما: ۱/ ۳۰۱)

مجھے دنیا سے کیا لینا! میری اور دنیا کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک سوار گرمی کے دنوں میں چل رہا ہو اور دن کے کسی حصہ میں تھوڑی دیر کے لئے ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرلے پھر اس کو چھوڑ کر چلتا بنے۔

دنیا بہت ہی خوشنما اور شیریں ہے وہ نگاہوں اور دلوں کے لئے آراستہ کر دی گئی ہے۔ انسان اس کے فتنہ میں گرفتار ہو کر اس کی آرائش وزیبائش کی موجوں میں تیرنے لگتا ہے اور اس کی فانی نعمتوں اور لذتوں میں غوطہ کھانے لگتا ہے، حالانکہ دل اگر اس کی حقیقت وحیثیت کو جان لے تو وہ کبھی دنیا کو آخرت پر فوقیت وترجیح نہیں دے سکتا ہے۔

ایک دانا نے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے دنیا کو گزرگاہ، آخرت کو اقامت گاہ، روح کو عاریت، رزق کو گذران، معاش کو محنت اور سعی وکوشش کو ذریعۂ خیر بنایا ہے، اور اس نے آفات ومصیبتوں کے گھر سے امن وسلامتی کے

گھر، اور قید خانوں سے باغ و بہار کی طرف بلایا ہے، یہی ہر انسان
کی حالت ہے لیکن نفس ایک گھٹیا اور خبیث اخلاق کا حامل ہے جو
دنیا کو گزرگاہ باور کرنے سے اندھا، اور آخرت کے جائے قیام ہونے
کی یاد سے غافل ہے، اور اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کا نفس مطمئن،
خواہشات سرد اور دل نور یقین سے منور ہو چکا ہو"

یہ مثال دنیا میں انسان کی حالت کو واضح کرتی ہے کہ وہ یہاں سے کتنا جلد کوچ کرنے والا ہے، اس کی عمر کتنی جلد ختم ہو جانیوالی ہے، موت بغیر اطلاع و وارننگ کے اچانک آدھمکنے والی ہے، اس دنیا میں انسان کی مدتِ قیام کی مثال دی گئی کہ وہ ایک سوار مسافر کی طرح ہے جو اپنے سفر کو جلدی سے طے کرنے میں لگا ہوا ہو کہ اسے دن کے کسی حصہ میں تھوڑی دیر سایہ کی ضرورت پڑ گئی تو وہ ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گیا پھر اٹھ کر چلتا بنا۔

امت محمدیہ کے ساتھ خیر کی وابستگی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین زمانہ وہ ہے جس میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے، پھر وہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس سے متصل ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی ماننے والے وہ خوش قسمت لوگ تھے جو آپ ﷺ پر اس وقت ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی جب کہ عام لوگ آپ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے، انہوں نے مشکل حالات اور ابتلاؤں کے زمانہ میں آپ ﷺ کی مدد کی، اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا علم تھامے رہے، انہوں نے اس پیغام ہدایت کو پوری بصیرت اور فراست کے ساتھ دور دراز کے ملکوں تک پہونچایا، اور بہت سی قوموں کو اس سے بہرہ ور کیا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں، آپس میں علمی تبادلے کئے، اسلام کو اپنی زندگی میں برتا اور پوری بصیرت و ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

بیشک ان سابقین اولین کو اپنے بعد والوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے، اور ان میں سراپا خیر ہے، لیکن اللہ علیم وخبیر نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے عام لوگوں کو بھی اس دین عظیم کے خیر سے نوازا ہے، اور اہل اسلام میں قیامت تک کے لئے اس خیر کی تمام قسموں کو باقی رکھا ہے، چنانچہ خیر اس امت سے ہمیشہ وابستہ رہے گی اور کبھی یہ امت اس سے محروم نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس زمانہ میں چاہتا ہے اس امت کی کسی جماعت یا کسی فرد کے ہاتھوں اس خیر کو ظاہر فرمادیتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتداء میں کسی ایسے شخص کو بھیجتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتا رہے گا(۱) اور یہ بہت بڑی بھلائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس امت میں خیر کی مثال بارش سے دی ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ آیا اس کے ابتدائی حصہ میں خیر ہے یا آخری حصہ میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی	میری امت کی مثال بارش کی سی ہے کہ
اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُهٗ	نہیں معلوم اس کے پہلے قطرہ و بوند میں
(مسند احمد عن عمار بن یاسرؓ : ۴/۳۱۹)	خیر ہے یا آخری قطرہ و بوند میں۔

بارش جب ہوتی ہے تو یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ پیڑ پودوں کے لئے مفید ثابت ہوا ہے یا آخری حصہ، اسی طرح سابقین اولین جنہوں نے معجزات کا مشاہدہ کیا اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور بعد میں آنے والے جو غیب پر ایمان لائے اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلے دونوں ہی خیر و بھلائی پر ہیں پہلے لوگوں نے اس دین کی جڑیں مضبوط کرنے اور راستہ ہموار کرنے کی محنت کی اور بعد والوں نے اس کی تہذیب اور آرائش کی کوشش کی اس لئے ہر ایک کی کوشش قابلِ قدر ہے اور سبھوں کو ان کی محنت کا ثمرہ ملے گا۔

---

(۱) ''ان اللہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا'' سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم

مسلمانوں کی باہمی محبت

محمد ﷺ اللہ کی طرف سے جو شریعت لے کر دنیا میں تشریف لائے وہ پوری انسانیت کے لئے ایک مکمل نظام رکھتی ہے، اللہ نے اس دین میں فرائض و واجبات اور حقوق میں تمام انسانوں کو یکساں درجہ دیا ہے، اس دین میں عجمی و عربی اور کالے گورے میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، ہاں معیار فضیلت ''تقوی'' ہے، اس دین میں ثواب و سزا کو انسان کے اعمال سے جوڑ دیا گیا ہے، اور دنیا کو عمل، نیکی و بھلائی کرنے اور خیر میں مسابقت کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

اس دین کے پیروکار آپس میں دینی بھائی ہیں، وہ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت اور حق کی خاطر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کی قوت کا ذریعہ اور آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ . (التوبة: ۷۱)	اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔

چنانچہ وہ باہم رحم، شفقت، مدد، مہربانی اور محبت کا برتاؤ رکھتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے اس محبت، الفت، قوت اور مدد کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى . (مسلم، كتاب البر والصلة والآداب)	مسلمانوں کے آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی، ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ جب جسم کا کوئی عضو یا حصہ تکلیف کا شکار ہوتا ہے تو سارا جسم اس تکلیف اور بیداری و بخار میں بے چین رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے باہم ربط و تعلق اور محبت و الفت کی مثال ایک

جسم سے دی ہے جس کے تمام اعضاء بالکل درست اور صحیح وسالم ہوں اب جب ان میں سے کسی عضو کو کوئی نقصان پہونچتا ہے یا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو پورا جسم اس کی حرارت کو محسوس کرتا ہے اور اس کے درد و تکلیف اور بے خوابی میں پورا جسم شامل رہتا ہے۔

چنانچہ یہ بات مسلمانوں کے واجبات میں سے ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مدد اور حمایت کریں گے اور زندگی کے میدان میں پیش آنے والے خطرات کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہوں گے کہ جس طرح وہ دیوار مضبوط اور باہم جڑی رہتی ہے اسی طرح مسلمان بھی آپس میں مربوط رہیں گے۔

باطل اور اہل باطل سے جنگ، ان کی سازشوں کو فاش کرنے، ان کے نظریات کے بطلان اور مسلمان کی ان سے حفاظت کے لئے وہ باہم متحد و متفق ہوں گے، پھر وہ مکمل طور پر منظم رہ سکیں گے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے اور ان اسباب و تدابیر کے اختیار کرنے پر جو ان سبھوں کو باہم جوڑے اور متحد کئے رہے پوری توجہ دیں گے، اس لئے کہ اجتماعیت میں خیر ہے اور اسی کا ہمیں حکم ملا ہے جب کہ انتشار و افتراق سراپا شر ہے اور اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، جماعت و وحدت مسلمانوں کے سامنے خیر کا دروازہ کھول دیتی اور عمل کرنے کے اسباب پیدا کر دیتی ہے اور اس کی طاقت و قوت کو صحیح مصرف اور جہت عطا کرتی ہے، پھر مؤمن کے دل میں نیک کاموں کے لئے امنگ و حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے ہر طرح کمر بستہ رہتا ہے، اپنے سامنے کام کے مواقع و میدان پاتا ہے اور مسلمانوں کے اجتماعی کاز کو آگے بڑھانے کے لئے مال و دولت، فکر و تدبر اور وقت و قوت صرف کرنے میں دریغ نہیں کرتا، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ سب سے بہتر اجتماعیت امت مسلمہ کی اجتماعیت ہے۔

متقی اور صالح مؤمن

حقیقی مؤمن وہ ہے جو متقی و پارسا ہو، اللہ کے حکم سے راضی اور اس کی اتباع

کرنے والا ہو، اس کے احکام کو اپنی زندگی کا دستور بنائے ہوئے ہو، یہی اس کے زندگی گزارنے کا طریقہ ہو اور اسی کو اس نے اپنے لئے منارۂ ہدایت بنا رکھا ہو۔

وہ اللہ کی منع کردہ چیزوں پر بھی راضی ہو اور اس سے اجتناب کرتا ہو، اس کے قائم کردہ حدود کا پاس ولحاظ رکھتا ہو، اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہو کہ اللہ کی رضا، اور عام لوگوں کی اصلاح ونفع کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے گا۔

مؤمن خیر کی کلید اور شر کو روکنے والا دروازہ ہوتا ہے وہ اپنے بھائیوں کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو خود وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، اپنے رب کی طرف سے جائز کئے ہوئے حلال و طیب رزق ہی کھاتا پیتا، پہنتا اور کماتا ہے، وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو بے لگام چھوڑتا ہے بلکہ اللہ کے قائم کردہ حدود ومحارم کے اندر اسے روکے رکھتا ہے۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مؤمن صالح کی ایک بڑی اچھی مثال دی ہے فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا، وَ ضَعَتْ طَيِّبًا وَ وَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَ لَمْ تَفْسُدْ .

(مسند احمد عن عبد الله بن عمر و بن العاص: ۲/ ۱۹۹)

مؤمن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے کہ وہ پاکیزہ چیز کھاتی ہے اور پاکیزہ چیز اگلتی ہے اور کسی چیز پر بیٹھتی ہے تو اسے نہ توڑتی ہے نہ خراب کرتی ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ، نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرْ وَلَمْ تَنْقُصْ

(مسند احمد عن عبد الله بن عمرو بن العاص: ۲/ ۱۹۹)

مومن کی مثال سونے کے ڈلے کی سی ہے کہ اس کو (آگ میں ڈال کر) تپایا جاتا ہے تو وہ نہ بدلتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔

جس مؤمن کا باطن خصال حمیدہ سے مزین اور ظاہر اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو

جائے اس کی مثال شہد کی مکھی سی ہے کہ اس میں خرچ کم اور نفع بہت ہے کہ اگر وہ کسی معمولی بوسیدہ لکڑی پر بھی بیٹھتی ہے تو اسے توڑتی نہیں اور پانی پر بیٹھتی ہے تو اسے گدلا نہیں کرتی، یہی حال مؤمن کا ہے کہ اس کے کھانے پینے میں پاکیزہ وحلال کے التزام کی وجہ سے اس کے ظاہر وباطن سے اچھے افعال، نیک اعمال اور پاکیزہ اخلاق ہی صادر ہوتے ہیں۔

مومن مثل کھیتی اور کافر ومنافق مثلِ صنوبر

مؤمن بھی عام انسانوں کی طرح مصائب وآلام اور بیماریوں و پریشانیوں کا شکار ہوتا رہتا ہے، اس کے ایمان میں کبھی نقص وکمزوری بھی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خیر کے کاموں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے اور بعض اوقات واجبات تک کی ادائیگی سے پیچھے ہٹنے لگتا ہے، مگر اس کی یہ حالت برقرار نہیں رہتی ہے بلکہ بہت جلد اللہ کی رحمت اس پر متوجہ ہوتی ہے اور اس کی مصیبت و پریشانی کو دور کر دیتی ہے چنانچہ وہ پھر پوری چستی ونشاط اور خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت اور اس کے احکام کے نفاذ میں لگ جاتا ہے۔

مؤمن کی مثال اس زندہ وہرے بھرے پودے کی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ جھک جاتا ہے لیکن ٹوٹتا نہیں اور جب ہوا رک جاتی ہے تو پھر وہ اپنے تنے پر سیدھا صحیح و سالم کھڑا ہو جاتا ہے۔

اور کافر سخت جان ہوتا ہے وہ بہت کم بیماری وغیرہ کا شکار ہوتا ہے، اس کی مثال اس مضبوط خشک ٹھوس درخت کی ہے جو اپنے تنہ پر پوری قوت کے ساتھ کھڑا رہے اور ہوا اسے ذرا بھی نہ ہلا سکے لیکن جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو پھر وہ ایک ہی مرتبہ میں ٹوٹ جاتا ہے۔

یہی مثال کافر کی ہے کہ وہ برابر ایک مدت تک فسق وفجور اور ایذا رسانی میں لگا رہتا ہے اور جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو پھر اس کی جڑ ہی کاٹ دی جاتی ہے اور اس کو

وجود ہی سے مٹا دیا جاتا ہے پھر یا تو وہ تحت الثریٰ میں پہونچ جاتا ہے یا مردوں کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہ مثال نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یوں وارد ہوئی:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ، تُفِيئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَ تَعْدِلُهَا حَتّٰى يَاتِيَهُ أَجَلُهُ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ مَثَلُ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَايُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً . (مسلم كتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

مؤمن کی مثال کھیت کے ترو تازہ پودے کی سی ہے کہ ہوا اس کو کبھی جھکا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہے اور منافق کی مثال صنوبر جڑ پکڑے ہوئے درخت کی سی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے اور اس کو کچھ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ یکبارگی جڑ سے اکھڑ کر گر جاتا ہے۔

مؤمن کھجور کے درخت کے مانند ہے

کھجور کے درخت میں بہت سارے فائدے ہیں، انسان اس کے پھل نکلنے کے وقت سے لے کر خشک ہونے تک اس کو استعمال کرتا رہتا ہے، اور خشک ہونے کے بعد بھی بہت سے کاموں میں آتا ہے، خود اس درخت کا منظر بھی بہت ہی خوبصورت اور دلکش ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس درخت کے لگانے کی ترغیب آئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ جنت کا درخت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ .
(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

جو شخص ایک بار "سبحان الله العظيم و بحمده" کہتا ہے اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگ جاتا ہے،

رسول اللہ ﷺ نے اس پاکیزہ و مبارک درخت سے مؤمن کی مثال دی ہے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّخْلَةِ مَاأَتَاكَ مِنْهَا نَفَعَكَ .	مؤمن کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے کہ اس کے جس حصہ کو بھی لوگے تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا۔
(مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۱/۸۳ ، باب فی مثل المؤمن)	

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَ اِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ .	درختوں میں ایک درخت ہے جس کا پتہ نہیں جھڑتا ہے اور وہی مؤمن کی مثال ہے۔
(مسلم، کتاب صفات المنافقین و أحکامهم باب مثل المؤمن مثل النخلة)	

چونکہ کھجور کا نفع عام، زیادہ اور دیرپا ہے، اسی طرح اس کا پھل بہت عمدہ اور سایہ ہمیشہ رہتا ہے، اس کی لکڑی، پتے، ٹہنیاں، تنے سب کے سب ایندھن، لاٹھی، رسی اور برتن وغیرہ کے کام میں آجاتے ہیں، اور اس کی گٹھلی سے بھی اونٹ کے چارہ کا کام لیا جاتا ہے، گویا اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ اس میں جہاں پورا پورا فائدہ ہے وہیں وہ باعثِ خیر و زینت بھی ہے۔

اس لئے اس کی مثال مؤمن سے دی گئی ہے چنانچہ عبد صالح جو اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا رہتا ہے اس کا قول و فعل اور ہر امر خیر ہوتا ہے وہ خیر کو فروغ دینے والا اور شر کو روکنے والا ہے اس کی قربت باعثِ برکت ہے، اسی وجہ سے اس کی مثال اس بابرکت و پاکیزہ درخت سے دی گئی ہے۔

حیران وششدر منافق

رسول اللہ ﷺ نے حیران وششدر منافق کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هٰذِهِ مَرَّةً.

(مسلم: كتاب صفات المنافقين واحكامهم)

منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو بکری کے دو ریوڑوں کے درمیان حیران ہو کبھی اس ریوڑ میں جاتی ہو اور کبھی اس میں۔

یہ منافقین کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ منافق ہمیشہ حیران و پریشان رہتا ہے وہ اپنے افکار اور افعال واقوال میں سدا پیچ وتاب کھاتا رہتا ہے، اسے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی اتباع کرے چنانچہ کبھی کسی کے پیچھے دس قدم چلتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر دوسرے کا دامن پکڑتا ہے، وہ اسی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھٹکتا رہتا ہے اور حق کی طرف رہنمائی نہیں حاصل کر پاتا ہے اور نہ ہی اس کے راستہ تک پہونچ پاتا ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ کی نازل کردہ چیزوں سے گریز کیا، اپنی خواہشات کی پیروی کی اور کفر ونفاق اس کے دل میں رچ بس گیا جس کی وجہ سے وہ شدید حیرانی و بے سمتی کا شکار ہو گیا، نہ تو اس کی فکر یکسو ہو پاتی ہے اور نہ ہی اس کا دل مطمئن ہو پاتا ہے وہ تذبذب کا شکار رہتا ہے پھر کبھی مسلمانوں کے ساتھ چاپلوسی ومنافقت اختیار کرتے ہوئے اپنی محبت ونصرت کا اظہار کرتا ہے حالانکہ وہ اپنی زبان کے برخلاف دل میں دشمنی وبغض چھپائے رہتا ہے اور جب وہ اپنوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے تنہائی میں ملتا ہے تو کھلے لفظوں میں کہتا ہے میں تو تمہارے ساتھ ہوں، اسی کو قرآن نے کہا ہے:

وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ (البقرة : ۱۴)	اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض بنا رہے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے منافق کی تشبیہ اس حیران بکری سے دی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان اِدھر سے اُدھر بھاگتی پھرتی ہو اور حیران و پریشان ہو، اسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کس ریوڑ کے ساتھ جائے اس لئے وہ کبھی اس کے پیچھے اور کبھی دوسرے کے پیچھے دوڑ بھاگ کرتی رہتی ہے۔

اسی طرح منافق اسی پس وپیش اور تذبذب کی حالت میں اپنی زندگی گزارتا رہتا یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے اور یہ کتنا خراب اور کیسا برا انجام ہے۔

تلاوتِ قرآنِ کریم کے پابند

جو مسلمان پابندی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت اور مطالعہ کرتا رہتا ہے اس کی زبان رواں، قرأت درست اور حفظ اچھا ہو جاتا ہے، اس سے قرآن سے متعلق کوئی چیز فوت نہیں ہونے پاتی ہے، وہ قرآن کا ماہر ہو جاتا ہے اور ماہر بالقرآن قیامت کے دن بڑے درجہ والے نیکوکار صحیفہ نویسوں یعنی کاتبانِ وحی ملائکہ کے ساتھ ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے مسلمانوں کی ایک مثال دی ہے فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرآنِ كَمَثَلِ الاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا	صاحب قرآن کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی سی ہے کہ اگر اونٹ والا اس کی

اَمْسَكَهَا وَ اِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ. (مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا باب فضائل القرآن و ما یتعلق بہ)

نگرانی کرتا ہے اور باندھ کر رکھتا ہے تو اس کی حفاظت کر لے جاتا ہے، اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

پس جس طرح اونٹ کا مالک اپنے اونٹ کی نگرانی کر کے اور باندھ کر اس کی حفاظت کر لیتا ہے کہ اس کے بعد اونٹ ادھر ادھر دور دراز صحراء و بیابان کی طرف بھاگتا نہیں کہ جس کی وجہ سے مالک کو پریشانی و تھکاوٹ لاحق ہو، اسی طرح صاحب قرآن رات و دن تلاوت و مطالعہ کرتے رہنے کی وجہ سے اسے یاد کر لیتا ہے اس میں سے کچھ بھی نہیں بھولتا ہے۔ قرآن کی آیات اور سورتوں کے لئے اس کا حافظہ قوی ہو جاتا ہے، غور و فکر اور تدبر میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس کی آواز بھی اچھی ہو جاتی ہے، اور اگر تلاوت چھوڑ دیتا ہے تو پڑھنے میں دشواری بھی ہوتی ہے اور بوجھ بھی محسوس ہوتا ہے ساتھ ہی حافظہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔

قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے

لوگوں کی بہت سی قسمیں ہیں، کچھ تو ان میں مؤمن ہیں جو اولیاء اللہ اور نیک بندے ہیں اللہ ان کا ولی ہے، وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اللہ ان سے محبت رکھتا ہے، وہ اللہ سے راضی و خوش ہیں اور اللہ ان سے راضی و خوش ہے، کچھ لوگ منافق ہیں جنہوں نے ایمان قبول کرنے کے بعد کفر کیا، اللہ کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کی، اور اللہ اور اس کے رسول کے درپئے آزار رہے، ایسے لوگوں کے واسطے ہمیشہ ہمیش جلنے کے لئے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔

ان دونوں قسموں میں کچھ تو وہ ہیں جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں کچھ تو وہ ہیں جو اللہ کی رضا و خوشنودی اور طلب آخرت کے لئے قرآن

کی تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو سرے سے تلاوت ہی نہیں کرتے۔

اسی طرح منافقین میں کچھ ریا کاری اور نفاق کے جذبہ سے تلاوت کرتے ہیں اور ان کا اس سے مقصود رضا الٰہی نہیں ہوتا ہے، اور انہیں میں کچھ دوسرے ایسے بھی ہیں جو تلاوت کیا! قرآن کے قریب تک نہیں جاتے۔

ان چاروں قسموں کی اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَارِیْحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَیْسَ لَهَارِیْحٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ.

(مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب فضیلة حافظ القرآن)

جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ اور جو مسلمان قرآن شریف نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا، اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال حنظل (اندرائن) کے پھل کی سی ہے کہ مزہ کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں۔

چنانچہ جو مسلمان قرآن کریم کو پڑھتا ہے اس کا خیال رکھتا ہے اور باہم اس کا مذاکرہ کرتا ہے، اس کی آیات پر اکثر و بیشتر غور و تدبر کرتا رہتا ہے، عبادات اور زندگی کے معاملات میں اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو کتاب اللہ میں غور کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی دعوت دیتا ہے تو بلاشبہ ایسے مؤمن کے لئے دوسرے مسلمانوں پر

اللہ کے نزدیک ایک خاص فضیلت و برتری ہوگی۔

اسی وجہ سے ایسے مؤمن کی اتنی عمدہ مثال دی کہ وہ ترنج کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی عمدہ، اور جو مؤمن قرآن مجید کو سستی ولا پرواہی کی بنا پر نہیں بلکہ عدم استطاعت کی وجہ سے نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس کا مزہ میٹھا ہے مگر بو کچھ بھی نہیں۔

اور جو منافق لوگوں پر اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے اور صرف اس خیال سے کہ مسلمانوں کو وہم ہو کہ وہ بھی انہیں میں کا ایک فرد ہے، تاکہ لوگوں پر اپنے مکر وفریب اور ناپاک سازش کا پردہ ڈال سکے، قرآن پڑھتا ہے یا اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہونے کے لئے پڑھتا ہے تو اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو بہت عمدہ ہے مگر مزہ بہت ہی کڑوا، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کلام پاک کو پڑھتا ہے مگر اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اور جو منافق سرے سے قرآن پڑھتا ہی نہیں اس کی مثال اندرائن کی سی ہے کہ نہ اس میں خوشبو ہے اور نہ ہی مزہ بلکہ یہ بہت ہی کڑوا ہوتا ہے۔

سخی اور بخیل

یہ ایک مثال ہے سخی صدقہ کرنے والے اور بخیل روک کر رکھنے والے کی، کریم و سخی آدمی اپنے مال سے صدقہ نکالتا ہے تو اللہ کی مدد بھی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب بھی فراہم کر دیتے ہیں اس لئے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ صدقہ کرتا ہے، ساتھ ہی وہ اس کے ذریعہ اللہ کی رضا وخوشنودی کی امید رکھتا ہے اور اس کے غضب و ناراضگی سے ڈرتا بھی ہے، اسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا دو چند اجر عطا فرمائیں گے، اور اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دیں گے، نیز وہ ریاکاری یا اپنی شہرت اور لوگوں کے درمیان

فخر کے لئے خرچ نہیں کرتا، اور نہ ہی لوگوں سے کسی بدلہ وشکر گزاری کا منتظر رہتا ہے۔

بخیل آدمی نفس کے بخل اور دنیا کی حرص میں اپنے جمع کئے ہوئے مال کو بچا بچا کر خوب حفاظت سے رکھے رہتا ہے کیونکہ اس کو مال سے انتہائی محبت ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے وجود و بقا کا ذریعہ مال ہی ہے۔

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (الهمزه:۳) وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔

وہ اپنے ایمان کی کمزوری اور اللہ پر عدم توکل کی وجہ سے صدقہ نہیں کر پاتا ہے اور جب کبھی صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو طرح طرح کے شکوک وشبہات اس کے ذہن میں پیدا ہونے لگتے ہیں کہ مال کم ہو کر ختم ہو جائے گا اور یہ مال ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی یا وہ زوال کا شکار ہو جائے گا چنانچہ وہ صدقہ کرنے سے باز آجاتا ہے اور اس کو اس کے مستحقین سے روک لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں اس کی واضح مثال بیان کی گئی ہے جس کو امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ مَثَلُ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ اِذَاهَمَّ الْمُتَصَدِّقُ بِصَدَقَةٍ اتَّسَعَتْ عَلَيْهِ حَتّٰى تُعَفِّيَ اَثَرَهُ، وَ اِذَا هَمَّ الْبَخِيلُ بِصَدَقَةٍ تَقَلَّصَتْ عَلَيْهِ وَ انْضَمَّتْ يَدَاهُ اِلٰى تَرَاقِيهِ وَ انْقَبَضَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ اِلٰى صَاحِبَتِهَا، قَالَ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فَيَجْهَدُ أَنْ

صدقہ کرنے والے اور بخیل کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن پر لوہے کی زرہ ہو، جب صدقہ کرنے والا صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ اس پر کشادہ اور ڈھیلی ہو جاتی ہے حتی کہ اس کا نشان تک نہیں رہتا اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس پر سکڑ جاتی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ ہنسلی کی ہڈی سے چمٹ جاتے ہیں اور ہر حلقہ

يُوَسِّعَهَا فَلَا يَسْتَطِيعُ.

(مسلم ، كتاب الزكاة، باب مثل المنفق والبخيل)

دوسرے سے قریب ہو کر سمٹ جاتا ہے راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ پھر وہ بخیل اس کو کشادہ کرنیکی کوشش کرتا ہے مگر نہیں کر پاتا۔

صدقہ دینے کے بعد واپس لینا

جولوگ خوش دلی اور اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے لئے صدقہ نکالتے ہیں انہیں اللہ ورسول پر ایمان رکھنے کی وجہ سے پورا یقین ہوتا ہے کہ یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی اہمیت کا حامل ہوگا اور اسے اس کے بدلہ میں اس کا دو چند اور بڑا اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ غنی وکریم ہے وہ جس کے لئے چاہتا ہے دوچند فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا کرتا ہے۔

اور یہ بھرپور بدلہ انسان کو اس دن ملے گا جس دن کہ وہ ایک ایک نیکی کا محتاج ہوگا تا کہ اس دن کی ہولناکی سے نجات پا سکے، جس دن کہ نہ مال واولاد کام دیں گے اور نہ بیوی وگھر والے، ایسے ہی لوگ زیادہ سے زیادہ صدقہ کرتے ہیں اور اللہ سے اجر کی امید رکھتے ہیں یہ نہ تو لوگوں کو دکھاتے ہیں اور نہ ہی صدقہ لینے والے کو ایذا پہونچاتے ہیں۔

لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دکھاوے، شہرت اور لوگوں کے درمیان فخر کرنے کے لئے صدقہ کرتے ہیں تا کہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو کہ وہ سخی اور صدقہ دینے پر قادر ہیں۔

ایسے لوگ کبھی صدقہ دے کر احسان جتلاتے ہیں اور صدقہ لینے والوں پر اپنی فوقیت وبرتری کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی انہیں مجلسوں میں اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہونچاتے ہیں، اور بعض وقت یہاں تک نوبت پہونچ جاتی ہے کہ وہ صدقہ واپس مانگنے

لگتے ہیں بلکہ واپس لے کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور اپنے اس فعل سے اس بے چارہ کو تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اسی فعل قبیح کو قرآن نے ''المن'' اور ''الاذی'' سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے اور صدقہ دینے کے بعد واپس لینے سے خوف دلایا ہے کہ یہ صدقات کے باطل ہونے اور اجر کے ضائع ہو جانے کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَى (البقرة : ٢٦٤)	اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہونچا کر) باطل نہ کردو۔

اور رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وعطیہ دینے کے بعد واپس لینے والے کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّـمَـا مَثَـلُ الَّذِیْ يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ ثُـمَّ يَـعُـوْدُ فِـیْ صَـدَقَتِـهٖ ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِیُٔ ثُمَّ يَأْكُلُ قَيْئَهُ . (مسلم، كتاب الهبات)	اس شخص کی مثال جو صدقہ دے کر واپس لوٹا لیتا ہے، اس کتے کی سی ہے جو قے کرنے کے بعد پھر اسی قے کئے ہوئے کو کھانے لگتا ہے۔

خود فراموش عالم

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ بندہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر ادا کرے، اللہ کے دین کا علم اور اس کی سمجھ بہت ہی عظیم نعمت ہے، جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے اسی کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، علم نور ہے، روشنی اور ہدایت ہے اس نعمت کی حمد اور اس کا شکر یہ ہے کہ وہ خود کو اور لوگوں کو اس سے نفع پہونچائے۔

علم سے لوگوں میں سب سے زیادہ نفع حاصل کرنے والا وہ شخص ہے جو علم سیکھے، اس پر عمل کرے اور لوگوں میں اس کو عام کرے، وہ اللہ تعالیٰ کا داعی بن جائے اور اس کے بندوں کے لئے ایک روشن چراغ کا کام دے۔

جو اہلِ علم لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتے ہیں اور خود اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے یعنی ''خود را فضیحت دیگراں را نصیحت'' تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُوْرُ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ أَيْ فُلَانُ: مَاشَأْنُكَ؟ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا آتِيْهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيْهِ.

(بخاری، کتاب بدء الخلق باب صفة النار وانها مخلوقة)

قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، اور وہ شخص اس طرح چکر لگانے لگے گا جیسے گدھا اپنی چکی پر گردش کیا کرتا ہے، جہنم میں ڈالے جانے والے اس کے قریب جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے اے فلاں! تمہاری کیا درگت بنی، کیا تم ہمیں اچھے کام کرنے کے لئے نہیں کہتے تھے اور کیا تم بُرے کاموں سے ہمیں منع نہیں کیا کرتے تھے، وہ شخص کہے گا، جی ہاں، میں تمہیں تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا بُرے کاموں سے تمہیں منع کرتا تھا لیکن میں اسے خود کیا کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں تو ان کے متعلق حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ

ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے مقررین ہیں جو ایسی باتیں کہا کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔(۱)

اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے ایک مثال دی اور فرمایا:

مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَ یَنْسٰی نَفْسَهُ کَمَثَلِ السِّرَاجِ یُضِیْئُ لِلنَّاسِ وَ یُحْرِقُ نَفْسَهُ .

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۲/۱۶۶، عن جندب بن عبد الله الأزدی)

اس عالم کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور خود کو فراموش کر جاتا ہے چراغ کی سی ہے جو لوگوں کو روشنی پہونچاتا ہے اور خود کو جلاتا رہتا ہے۔

علم چھپانے والے

جس علم کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے وہ کتاب وسنت کا علم ہے اور دراصل یہ وہی نور ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کی صورت میں نازل ہوا، تاکہ لوگوں کو جہل وکفر اور شرک کی تاریکی سے ایمان وتوحید کی روشنی میں نکال لائے چنانچہ جس شخص کو یہ علم حاصل ہو گیا اسے بہت بڑی دولت ہاتھ آ گئی۔

وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جو امتِ محمدیہ کے لئے داعی، ہادی اور روشن چراغ کا کام دیتا ہو، ان کے سوالوں کا جواب دیتا ہو، انہیں لغزشوں سے بچاتا ہو اور ان سے آگاہ کرتا ہو، ان کے لئے دینی امور میں سند کا درجہ رکھتا ہو، لوگ اس کے اردگرد جمع ہوتے ہوں اور وہ انہیں ہر شبہہ اور ہر بدعت سے پاک علم صحیح سے روشناس کراتا ہو، ساتھ ہی وہ اپنے اس عمل میں اللہ کی رضا اور بھرپور ثواب کا متمنی ہو۔

اس علم کے حاملین کی دو قسمیں ہیں:

---

(۱) مسند احمد: ۳/۱۲۰ عن أنس بن مالکؓ

ایک قسم تو وہ ہے جو اللہ اور لوگوں دونوں کے نزدیک محبوب ہے، یہ وہ ہے جس نے اپنے علم سے نفع حاصل کیا اور اس کو لوگوں میں عام کیا، یعنی خود بھی نفع اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہونچایا۔

دوسری قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع سے نوازا لیکن اس نے اس علم کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا، لوگوں میں اس کی اشاعت نہیں کی بلکہ لوگوں سے چھپایا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کی ایک مثال بیان کی تاکہ لوگ اس سے خبردار ہو جائیں، ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ ثُمَّ لَا یُحَدِّثُ بِهٖ، كَمَثَلِ الَّذِیْ یَكْنِزُ الْكَنْزَ ثُمَّ لَایُنْفِقُ مِنْهُ.

(الترغیب والترهیب للمنذری: ۱/۱۲۱، الترهیب من كتم العلم)

اس شخص کی مثال جو علم سیکھتا ہے مگر پھر اس کو بیان نہیں کرتا (دوسروں کو نہیں سیکھاتا ہے) اس شخص کی سی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اس میں سے خرچ نہیں کرتا۔

آپ کے علم میں یہ بات رہنی چاہئے کہ علم کا چھپانا (جسے علمی اصطلاح میں کتمان علم کہتے ہیں) بہت بڑا گناہ ہے، جو لوگ اس کا ارتکاب کرنے والے ہیں وہ شریعت کی نگاہ میں ایک بڑے مجرم کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں نقصان اور آخرت میں بڑا خطرہ ہے رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ایسے افراد کے لئے وعید آئی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَّارٍ، یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

(ابو داؤد، كتاب العلم، باب كراهية منع العلم)

جس شخص سے علم کے متعلق کچھ پوچھا گیا اور اس نے جانتے ہوئے بھی چھپایا تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ آگ کی لگام پہنائے گا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَحْفَظُ عِلْمًا فَيَكْتُمُهُ إِلَّا أَتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَلْجُومًا بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ (الترغيب والترهيب: ۱/ ۱۲۱، الترهيب من كتم العلم)

جو شخص بھی کچھ علم رکھتا ہو پھر وہ اس کو چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائے ہوئے آئے گا۔

کتمان علم کی کئی صورتیں ہیں۔

صحیح جواب جاننے کے باوجود سوال کئے جانے پر جواب نہ دے، یا جواب کا کچھ حصہ ضرورت کے باوجود قصداً چھپائے رکھے۔

بدعتیوں، گمراہوں، مفسدوں، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے، ان کو گمراہ کرنے اور ان کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں سے باوجود وفور علم اور قدرت کے مناظرہ نہ کرے۔

اسی طرح سے کتمانِ علم میں یہ بھی داخل ہے کہ تعلیم وتعلم کا کام کرنیوالے مثلاً مدرسین، واعظین اور جمعہ کے خطباء ومقررین موضوع کا پورا حق ادا نہ کریں، یعنی مطالعہ و استحضار اور صحیح علم کو مشکوک وغلط علم سے پاک وصاف کرنے اور صحیح وحسن حدیثوں کو دوسری حدیثوں سے ممتاز کرنے میں کوتاہی برتیں۔

مذکورہ حدیث میں بیان کردہ مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ علم کو چھپاتے ہیں اور بوقت ضرورت اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو سونے وچاندی کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور لوگوں کی سخت ضرورت کے وقت بھی اس میں سے کچھ نہیں نکالتے، ایسے لوگوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں سخت وعید آئی ہے ارشاد باری ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، اس روز (واقع

فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

(التوبہ: ۳۴.۳۵)

ہوگا) جب کہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہتے تھے سو اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے

جب کسی انسان کے ساتھ کوئی بھلائی کی جاتی ہے یا پھر کوئی اہم خدمت پیش کی جاتی ہے تو وہ اس احسان کا بدلہ احسان ہی سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ایسا کرنے والوں کی تعریف اور اس کا بھرپور شکریہ ادا کرتا ہے اور اس کی پوری تعظیم کرتا ہے، تو پھر اللہ رب العزت جو ہمارا پروردگار ہے وہی ہماری ذات کا مالک ہے، اسی کے قبضہ میں ہمارے کان، آنکھ، اور روح ہیں، اسی نے ہمیں نعمتوں سے نوازا ہے جس سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں، اس نے ہم سے بلاشرکت غیرے صرف اپنی ہی عبادت کا مطالبہ کیا ہے تو کیوں نہ ہم اس کی حمد وثنا بیان کریں؟ اور اسی سے ڈریں اور اسی سے دست بستہ دعا کریں؟

چنانچہ جو شخص اس کے خلاف عمل کرتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہے کہ وہ اپنے منعم حقیقی کے برخلاف دوسروں کی حمد وثنا اور شکر کرتا ہے، ایسے شخص کی مثال بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ يَحْيَىٰ بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَ يَأْمُرَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يَعْمَلُوْا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ خود اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو اس پر

بِهَا، ..... فَجَمَعَ النَّاسَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ الْمَسْجِدُ وَ قَعَدُوْا عَلَى الشُّرَفِ، فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَ آمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ: أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَ إِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرٰى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ: هٰذِهٖ دَارِيْ وَهٰذَا عَمَلِيْ فَاعْمَلْ وَ أَدِّ إِلَيَّ ، فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّيْ إِلٰى غَيْرِ سَيِّدِهٖ، فَأَيُّكُمْ يَرْضٰى أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ ؟ وَ إِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصُبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِيْ صَلَاتِهٖ مَالَمْ يَلْتَفِتْ ، وَأَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِيْ عِصَابَةٍ مَعَهٗ صُرَّةٌ فِيْهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يُعْجَبُ اَوْ يُعْجِبُهٗ

عمل کرنے کا حکم دیں ..... چنانچہ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا پوری مسجد بھر گئی اور لوگ بالکنی اور گیلریوں میں بیٹھ گئے، تو حضرت یحیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا کہ میں ان پر عمل کروں اور تم کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دوں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، اس لئے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے خالص مال سونا یا چاندی سے ایک غلام خریدا اور اس سے کہا یہ میرا گھر ہے (اس میں رہو) اور یہ میرا کام ہے کام کر کے میرے پاس لاؤ، پس اس غلام نے کام کر کے اپنے مالک کے بجائے دوسروں کے پاس پہونچانا شروع کر دیا، تو اب تم خود بتاؤ کہ تم میں سے کون پسند کرے گا کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو؟۔ اور اللہ نے تم کو نماز کا حکم دیا، تو جب تم نماز پڑھو

رِيْحُهَا وَ اِنَّ رِيْحَ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، وَ اَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَ قَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهُ، فَقَالَ أَنَا أَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ فَفَدَا نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَأَمَرَكُمْ أَنْ تَذْكُرُوْا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ أَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ .

(ترمذی، کتاب الأمثال باب ماجاء مثل الصلاة والصيام والصدقة)(۱)

تو اپنا رخ ادھر اُدھر مت پھیرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دورانِ نماز اپنے بندہ پر اپنی توجہ مرکوز فرمادیتا ہے بشرطیکہ بندہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔اور اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی جماعت کے ساتھ ہو اور اس کے پاس مشک کی ایک تھیلی ہو ظاہر ہے اس مشک کی خوشبو سے جماعت کے سارے لوگ لطف اندوز ہوں گے، پس سن لو روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اللہ کے نزدیک، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو دشمن نے گرفتار کر کے اس کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھ دیا ہو اور پھر اس کو قتل کر دینے کے لئے آگے بڑھایا ہو کہ اتنے میں وہ شخص ان دشمنوں سے کہتا ہے کہ کیا تم اس پر راضی ہو جاؤ گے کہ میں تمہیں تھوڑا زیادہ جو کچھ بھی ہے اپنی جان کا

---

(۱) الفاظ کے فرق کے ساتھ مسند احمد: ۱۲۹/۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۸۶/۳ اور الترغیب والترہیب: ۳۶۶/۱ میں بھی یہ روایت موجود ہے

فدیہ دیدوں، چنانچہ وہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا کہ تم اللہ کو یاد کیا کرو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو دشمن تیزی کے ساتھ ڈھونڈ رہا ہو اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہو کہ اتنے میں وہ شخص ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے، اسی طرح بندہ صرف ذکر الٰہی کے ذریعہ ہی اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ کر سکتا ہے۔

اپنی قوم کی ناحق مدد کرنے والے

دین کی مدد و نصرت ضروری ہے اور ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اسلام کی شان کو بلند کرنے اور اس کے عقائد کو لوگوں کے درمیان عام کرنے کے لئے اپنی طاقت و قوت، وقت اور ہر ممکن کوشش سے دریغ نہ کرے تا کہ روئے زمین پر دین اور اہلِ دین کی عزت پامال نہ ہونے پائے۔

جب انسان اپنے بھائیوں اور اہلِ قرابت کے ساتھ اسلام و مسلمانوں کی خاطر اس موقف کو اپناتا ہے تو اسے عزت و سرخروئی حاصل ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے نیک بندوں کے نزدیک قابل ستائش سمجھا جاتا ہے، اور یہی وہ موقف ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے روئے زمین میں عزت و سربلندی کے علم بلند کئے جاتے ہیں اور اللہ کی رضا حاصل ہو جانے کی وجہ سے ملأ اعلیٰ میں اس کے چرچے ہوتے ہیں، اور پھر قیامت کے دن اجر و ثواب کی کثرت کی وجہ سے اس کے میزان عمل کا پلڑا بھاری پڑ جائے گا۔

لیکن اگر انسان اپنے خاندان کی مدد دین و اسلام سے عاری اور الگ ہو کر کرتا ہے تو اس کی یہ مدد اللہ کے غضب کا باعث بن جاتی ہے، ایسے شخص کی مثال دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یُعِیْنُ قَوْمَهُ عَلٰی غَیْرِ الْحَقِّ کَمَثَلِ بَعِیْرٍ رُدِّیَ فِیْ بِئْرٍ فَهُوَ یَنْزِعُ مِنْهَا بِذَنَبِهٖ. (مسند احمد : ۱ / ۴۰۱ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

جو شخص اپنی قوم کی ناحق مدد کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کسی کنواں میں گر گیا ہو اور وہ اس کی دم پکڑ کر کھینچ رہا ہو۔

جو انسان اپنی جماعت یا اپنے گھر والوں کی حق پر نہ ہونے کے باوجود مدد کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کسی گڑھے میں گر کر موت کے قریب پہونچ چکا ہو ایسی حالت میں اس کی دُم کو پکڑ کر کھینچنا اسے کیوں کر بچا سکتا ہے؟ جب کہ اس کا جسم بھی بھاری بھرکم ہے اور گڑھا بھی تنگ پڑ گیا ہے۔

چنانچہ جو شخص ناحق کسی کی مدد کرتا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کھائی میں گر گیا ہو اور لوگ اس کی دم پکڑ کر کھینچ رہے ہوں کہ اس سے کیا حاصل؟ اور سوائے اس کی موت کے اور کیا فائدہ؟

اللہ — دلوں کا مالک!

اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق اور اس کی شکل وصورت بنانے والا ہے، اسی نے انسان کو عدم سے وجود بخشا، اور اسے آنکھ وکان اور دل کی دولت سے نوازا، اور اسی نے رسولوں کے ساتھ بھیجی ہوئی شریعت اور ان پر نازل شدہ کتابوں کی رہنمائی کی، چنانچہ جو شخص اللہ کے عطا کردہ اسباب کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا کے لئے اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایمان سے سرفراز اور صراط مستقیم کی ہدایت اور اس پر استقامت عطا فرمائے گا،

اور جب وہ اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوگا تو قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوگا۔

دل جب صحیح وسالم اور درست ہوگا تو جسم کے دیگر سارے اعضاء وجوارح بھی درست وصحیح ہوں گے اور اگر دل میں فساد پیدا ہوجائے تو پھر انسانی اعمال وحرکات میں بگاڑ پیدا ہوجائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا وَ اِنَّ فِـیْ الْـجَسَـدِ مُضْغَةً اِذَا صَـلَـحَـتْ صَـلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَ اِذَا فَسَـدَتْ فَسَـدَ الْـجَسَـدُ كُلُّـهُ أَلَاوَهِـیَ الْقَلْبُ. (بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه)

غور سے سن لو! کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست وصحیح رہتا ہے تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو پورا جسم خراب ہوجاتا ہے غور سے سن لو کہ وہ دل ہے۔

قلب سلیم مؤمن ہی کا قلب ہوسکتا ہے کہ جس میں اللہ کی محبت اور اللہ کی پسندیدہ چیزوں کی محبت، اللہ کا خوف اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں میں واقع ہونے کے خوف کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

دل کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دل اللہ رحمان ورحیم کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرح اور جیسے چاہتا ہے اس کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَـا مِنْ قَلْبٍ اِلَّاهُوَبَيْنَ اُصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَـابِـعِ رَبِّ الْـعَالَمِيْنَ اِنْ شَاءَ اَنْ يُّـقِيْـمَـهُ اَقَـامَهُ وَ اِنْ شَاءَ اَنْ يُزِيْغَهُ اَزَاغَهُ. (مسنداحمد. ۴/۱۸۳، عن نواس بن سمعانؓ)

کوئی دل نہیں ہے مگر وہ رب العالمین کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر وہ اس کو درست کرنا چاہتا ہے تو درست کر دیتا ہے اور اگر وہ اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے تھے۔

يَـا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰى دِيْنِكَ (ترمذی، کتاب الدعوات)

اے دلوں کے الٹنے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے دل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْقَلْبِ كَمَثَلِ رِيْشَةٍ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ تُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ. (كنز العمال : ۱/۲۴۴. (۱۲۲۹)

دل کی مثال پرندوں کے پر کی سی ہے کہ چٹیل میدان میں ہوا اس کو ادھر سے ادھر اڑائے پھرتی ہے۔

دل کے کثرت سے الٹنے پلٹنے کی وجہ سے اس کی مثال پرندوں کے پَر سے دی ہے کہ اس کے ہلکے پھلکے ہونے کی وجہ سے ہوائیں اسے فضا میں ادھر سے اُدھر پھینکتی رہتی ہیں۔

یہود، نصاریٰ اور مسلمان

اللہ تعالیٰ نے امتِ اسلامیہ کو بہت سی اہم اور بڑی نعمتوں سے نوازا ہے، انہیں خاتم النبیین والمرسلین کی رسالت اور آپ ﷺ کے بہترین طریقہ سے بہرہ ور فرمایا اور دلوں میں اس کی محبت عطاء کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے طے شدہ فیصلہ کے مطابق اس امتِ اسلامیہ کو سب سے اخیر زمانہ میں پیدا کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ، وَهٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِىْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَهُمْ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ فَالْيَهُوْدُ غَدًا وَ النَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ.

ہم لوگ بعد میں آنے والے لیکن قیامت کے دن سب پر سبقت لے جانے والے ہیں گرچہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب ملی، اور ہمیں ان کے بعد ملی، پھر یہ دن (جمعہ) انہیں کا ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا، مگر وہ لوگ اس سلسلہ میں اختلاف میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے

(مسلم، کتاب الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة)

ہمیں اس کی توفیق دی اور رہنمائی فرمائی اور وہ لوگ اس سلسلہ میں ہمارے تابع ہیں، یہود کل ہو کر اور نصاریٰ اس کے کل یعنی پرسوں ہو کر۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں جمعہ کی فضیلت بتائی کہ یہود و نصاریٰ کے برخلاف امت اسلامیہ اس فضیلت سے سرفراز فرمائی گئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دن ہمیں عطا فرمایا، ہم اس دن اللہ کی عبادت کر کے اس کی قربت کے طلب گار ہوتے ہیں، جمعہ کا دن تمام دنوں میں سب سے افضل دن ہے یہ گویا ہماری عید کا دن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی ایک مثال بیان کی ان کے اس کام کی تکمیل کے سلسلہ میں جس کا انہیں مکلّف کیا گیا تھا تا کہ وہ اس کام کو پورا کر کے اپنا اجر اللہ تعالیٰ سے لے لیں، اور اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُوْنَ لَهُ عَمَلًا يَوْماً اِلَى اللَّيْلِ عَلٰى أَجْرٍ مَعْلُوْمٍ ، فَعَمِلُوْا لَهُ نِصْفَ النَّهَارِ، فَقَالُوْا لَاحَاجَةَ لَنَا اِلٰى اَجْرِكَ الَّذِىْ شَرَطْتَ لَنَا وَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ، فَقَالَ لَهُمْ : لَا تَفْعَلُوْا اَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ وَ خُذُوْا اَجْرَكُمْ كَامِلًا ، فَاَبَوْا وَتَرَكُوا، وَاسْتَاجَرَ آخِرِيْنَ بَعْدَهُمْ،

مسلمان، یہود اور نصاریٰ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کو ایک متعین مزدوری پر رکھا ہو کہ وہ پورا دن رات تک اس کا کام کریں گے، ان لوگوں نے دوپہر تک کام کرنے کے بعد صاف کہدیا کہ ہمیں تمہاری مزدوری کی جو تم نے متعین کی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جو کچھ ہم نے کام کیا وہ تمہارا ہے، تو اس شخص نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو باقی کام بھی پورا کر دو اور اپنی پوری

فَقَالَ اَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَلَكُمُ الَّذِىْ شَرَطْتُ لَهُمْ مِنَ الْاَجْرِ، فَعَمِلُوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ حِيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالُوْا: لَكَ مَاعَمِلْنَا بَاطِلٌ وَلَكَ الْاَجْرُ الَّذِىْ جَعَلْتَ لَنَا فِيْهِ، فَقَالَ لَهُمْ: اَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ فَاِنَّ مَا بَقِىَ مِنَ النَّهَارِ شَىْءٌ يَسِيْرٌ فَاَبَوْا، فَاسْتَاجَرَ قَوْمًا اَنْ يَّعْمَلُوْا لَهُ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ وَاسْتَكْمَلُوْا اَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ كِلَيْهِمَا فَذٰلِكَ مَثَلُهُمْ وَ مَثَلُ مَاقَبِلُوْا مِنْ هٰذَا النُّوْرِ .

(بخاری ، کتاب الاجارة، باب الاجارة من العصر الی اللیل)

مزدوری لے لیکن ان لوگوں نے نہیں مانا اور چھوڑ کر چلے گئے، پھر اس شخص نے ان لوگوں کے بعد کچھ اور دوسرے لوگوں کو مزدوری پر رکھا اور ان سے کہا کہ تم بقیہ کام کر دو اور جو مزدوری میں نے ان لوگوں کے لئے متعین کی تھی وہ تم کو دیدوں گا، تو ان لوگوں نے عصر تک کام کرنے کے بعد کہہ دیا کہ جو ہم نے کام کیا وہ تمہارا ہے اور تم ہی وہ مزدوری بھی رکھو تو اس شخص نے ان لوگوں کو بھی سمجھایا کہ ایسا نہ کرو کام پورا کر دو اب کتنا وقت رہ ہی گیا ہے، دن کا بہت ہی تھوڑا حصہ بچ گیا ہے، مگر ان لوگوں نے بھی نہیں مانا، تب اس شخص نے کچھ دوسرے لوگوں کو مزدوری پر رکھا کہ وہ دن کے باقی حصہ میں کام کر دیں، تو ان لوگوں نے دن کے بقیہ حصہ میں کام کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا چنانچہ یہ لوگ پہلے دو فریقوں کی بھی مزدوری لے گئے ، یہی مثال ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی ہے اور ان لوگوں (مسلمانوں) کی جنہوں نے اس نور کو قبول کیا۔

یہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی مثال ہے، یہود و نصاریٰ نے چونکہ کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا، کلام الٰہی کو بدل ڈالا، معمولی حقیر دنیا کی لالچ میں آ کر اللہ کی آیات

میں اپنی طرف سے اضافہ کیا، بلکہ انہوں نے اپنے دین ہی کو بدل دیا، کفر کیا اور اللہ واحد وقہار کے ساتھ شرک کیا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ	اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے فرزند
وَقَالَتُ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ	مجازی ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں، مسیح
(التوبہ: ۳۰)	اللہ کے فرزند مجازی ہیں۔

جس کی وجہ سے ان کے سارے نیک اعمال جو اللہ تک پہونچ چکے تھے ختم ہو گئے اور ان کا اجر ضائع ہو گیا۔ پس قیامت کے دن ان کے لئے نہ کسی طرح کا کوئی اجر ہوگا اور نہ کوئی ثواب۔

مسلمانوں نے چونکہ اللہ کے دین کو زمین پر قائم کیا، وہ خود اس پر جمے رہے، اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا اُسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے، اس میں ذرہ برابر بھی ردو بدل یا الٹ پھیر نہیں کیا، اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے دین کی ان کے درمیان حفاظت کی، اس لئے غیروں کے مقابلہ میں ان کو پورا پورا اجر وثواب ملے گا۔

پنج وقتہ نمازیں ــــ گناہوں کا کفارہ

اسلام میں نماز کی بڑی اہمیت ہے، نماز اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے وہ دراصل اسلام کا ستون ہے، اور عبد ومعبود، خالق ومخلوق اور غلام وآقا کے درمیان یومیہ ربط کا ذریعہ ہے، نماز ہی کی وجہ سے بندہ کا اللہ کے نزدیک ملأ اعلیٰ میں تذکرہ ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے بندے کے درجات بلند ہوتے ہیں، انہیں نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور ان کا میزانِ عمل بھاری ہوتا ہے، اور پانچوں وقت کی نماز کی پابندی کرنے سے اللہ تعالیٰ غلطیوں کو مٹا دیتا ہے، گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور برائیوں سے درگزر فرماتا ہے، چنانچہ جب کوئی بندہ اچھی طرح وضو کر کے اپنے گھر سے نماز ہی کے ارادے سے

نکلتا ہے تو اس کے ہر ہر قدم کے بدلہ اللہ تعالیٰ ایک درجہ بلند، اور ایک گناہ معاف فرماتے ہیں، اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں تا آنکہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے۔(۱) اور اگر انسان کبائر سے بچتا رہے تو یہ پنج وقتہ نمازیں اپنے مابین کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔(۲)

گناہوں کو مٹانے اور برائیوں کا کفارہ ہونے کے سلسلہ میں پنج وقتہ نمازوں کی خاص اہمیت اور تاثیر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے پنج وقتہ نمازوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلٰى بَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ قَالَ الْحَسَنُ : وَ مَا يُبْقِيْ ذٰلِكَ مِنَ الدَّرَنِ (مسلم كتاب المساجد و مواضع الصلاة)

پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو جس کا پانی جاری ہو، اور خوب ہو، وہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہو، تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟

رسول اللہ ﷺ نے پانچوں نمازوں کی مثال ایک ایسے نہر سے دی جس کا پانی زیادہ ہے اور وہ کسی کے دروازہ سے بالکل قریب ہی بہہ رہا ہے، یہ زیادہ اور صاف ستھرا پانی جس کے حاصل کرنے میں اس کو کسی مسافت کے طے کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ اس کے دروازہ ہی کے پاس ہے اور اس کے لئے اس کا حاصل کرنا بہت ہی آسان وسہل بھی ہے، پھر وہ پانی اتنی مقدار میں ہے کہ کبھی ختم نہیں ہوتا تو اب اگر وہ شخص اس نہر میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل باقی رہے گا۔؟

یہی حال ان پنج وقتہ نمازوں کا ہے جو ایک دوسرے سے قریب اور ملی ہوئی ہیں اور جن کا ادا کرنا اللہ کے ہر بندہ کے لئے بہت ہی سہل وآسان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کی بدولت بندے کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں، اور ان کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

---

(۱) الترغیب والترہیب للمنذری: ۱/۲۰۶، (الترغیب فی المشی الی المساجد الخ)
(۲) مسلم کتاب الطہارۃ باب الصلوٰت الخمس

یادِ الٰہی سے آباد اور غیر آباد گھر

انسان جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اس کا ظاہر نیک اعمال اور عمدہ و بہترین خصائل سے مزین، اور اس کا باطن علم نافع کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

انسان جب پابندی کے ساتھ مستقل طور پر اپنے معبودِ حقیقی کی یاد میں لگا رہتا ہے، اسی اللہ کے سامنے فروتنی اختیار کرتا ہے، اور اسی کو اپنا مقصود و نشانہ بناتا ہے، اسی کا خیال دل میں جمائے رہتا ہے، اپنے رب کو راضی کرنے والے اعمال ہی کو اپناتا ہے، اس کے حدود و منہیات کی پابندی کرتا ہے، اور کسی عمل کا اس وقت تک اقدام نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنی عقل سے مراجعت نہ کر لے کہ آیا وہ عمل اللہ کو راضی کرنے والا، اس کو خوش کرنے والا، اور اس کے نیک بندوں کے اعمال میں سے ہے یا نہیں، اگر وہ عمل ایسا ہوتا ہے تو کر گزرتا ہے، ورنہ رک جاتا ہے، اور زمین کی کوئی بھی طاقت اس کو ایسے عمل پر مجبور نہیں کر سکتی ہے جو اللہ کو غضب میں ڈالنے والا ہو، یا وہ ایسا عمل ہو جس کی صحت دینِ الٰہی میں موجود نہ ہو۔

ایسا انسان اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے، اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر اپنی زندگی گزارتا ہے، یہی وہ زندہ انسان ہے جس کا ظاہر زندگی کے نور اور اس کی چمک دمک سے مزین و آراستہ رہتا ہے، وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے، اور وہی سیدھے اور درست راستہ پر گامزن ہے۔ اور وہ انسان جس کے زندگی گذارنے کا کوئی طریقہ نہ ہو، سوائے اس رسم و رواج کے جس پر اپنے آباء و اجداد کو پایا اور دیکھا ہے، یا بعض لوگوں کے خود ساختہ فاسد و کھوٹے عقائد، جس سے برے اور خبیث اعمال و افعال کے علاوہ کچھ بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، اور جو گہری جہالت اور بڑی گمراہی کا پتہ دیتا ہے، ایسا انسان دراصل مردہ ہے، اس میں حقیقی زندگی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، اس شخص سے دی ہے جس میں زندگی کی تازگی و بہار ہو، اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے اس شخص سے دی ہے جو مردہ ہو چکا ہو اور اس کی زندگی ختم ہو چکی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتِ الَّذِيْ لَايُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَ الْمَيِّتِ .

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے، زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

(مسلم ، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا)

تو جو انسان اللہ کے بتائے ہوئے طریقے اور صراط مستقیم پر چلتا ہے، اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے وہ انسان زندہ ہے، اللہ کی طرف سے اس کو نور (فراست) حاصل ہے، جس کے ذریعہ وہ ہر خیر اور نفع بخش چیز کی رہنمائی سے سرفراز رہتا ہے، وہ اپنے عمل میں درست اور توفیق یافتہ ہوتا ہے، اس سے غلطیاں کم ہوتی ہیں، اور اس کی زندگی تائید یافتہ ہوتی ہے۔ اور وہ انسان جو اپنی گردن پر ایک رسی ڈال لیتا ہے تاکہ وہ اس کو لوگوں کی خواہشات اور نفسِ امارہ و شیاطین کے پیچھے کھینچتا رہے، اور وہ ان لوگوں کے سامنے ذلیل ہوتا رہے تو وہ انسان مردہ دل مردہ ضمیر ہے، اور وہ اس حقیقی اور روحانی زندگی کی حقیقت سے مرحوم ہے جس کا محور اللہ کا ذکر اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے۔

حصہ بقدر ظرف

شریعت اسلامیہ جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے، وہ اللہ رب العزت کی وحی ہے، اور ٹھوس بنیاد اور حکمت پر مبنی ہے، جو خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اللہ حکیم و خبیر کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس شریعت اسلامیہ کے اندر وہ ہدایت، نور اور علم ہے جس کو اپنا کر انسان اپنے خالق، رب اور وجود بخشنے والے تک رسائی حاصل

کرتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب کہ وہ اس کے رسول کی سیرت کی اتباع اور اس کی اطاعت کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس ہدایت وعلم کی ایک مثال بیان فرمائی، جس کے ساتھ آپ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ مَابَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ عَزَّوَ جَلَّ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَ كَانَ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا مِنْهَا وَ سَقَوْا وَرَعَوْا، وَ اَصَابَ طَائِفَةً مِّنْهَا اُخْرٰی اِنَّمَا هِیَ قِيْعَانٌ لَاتُمْسِكُ مَاءً، وَلَاتُنْبِتُ كَلَاً، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ وَ نَفَعَهُ بِمَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ، فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ وَ مَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَ لَمْ يَقْبَلْ هُدَی اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ .

(مسلم، کتاب الفضائل باب بیان مثل ما بعث النبی ﷺ من الهدی والعلم)

اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال بارش جیسی ہے جو زمین پر برستی ہے تو زمین کے کچھ ٹکڑے زرخیز اور عمدہ ہوتے ہیں، وہ پانی کو قبول کر لیتے ہیں اور بکثرت گھاس اور چارہ اگاتے ہیں، اور زمین کے کچھ ٹکڑے خشک اور نشیبی ہوتے ہیں، وہ پانی کو روک لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہونچاتا ہے کہ وہ وہاں سے پیتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں، اور آبپاشی کرتے ہیں، زمین کے ایک اور ٹکڑے پر بارش ہوتی ہے جو چٹیل ہے نہ تو وہ پانی ہی روکتا ہے، اور نہ ہی گھاس وغیرہ زمین پر اگاتا ہے، چنانچہ پہلی (اور دوسری) مثال ہے اس کی جو دین کی سمجھ حاصل کرتا ہے، اور جس چیز کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، پس وہ علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے،

آخری مثال اس شخص کی ہے جو اس دین
کی طرف سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے،
اور جس ہدایت کے ساتھ میں بھیجا گیا
ہوں اس کو قبول نہیں کرتا ہے۔

بارش و پانی سے رسول اللہ ﷺ نے علم و ہدایت کی مثال دی، یہ بارش تین طرح کی زمینوں پر ہوتی ہے۔

ایک وہ زمین جس پر بارش ہوتی ہے تو وہ لہلہا اٹھتی ہے اس میں ہر طرح کے پیڑ پودے اُگتے ہیں، جس سے انسان و جانور سب فائدہ اٹھاتے ہیں، اور زمین کے عظیم منافع سے منتفع ہوتے ہیں، یہ مثال اس نیک و متقی اور پرہیز گار شخص کی ہے، جس نے اس دین کی ہدایت، علم اور نور کی طرف پیش قدمی کی، دین کی سمجھ حاصل کی، اور اس کو خود اپنی زندگی اور اہل و عیال میں برتا، اور اس پر اچھی طرح عمل کیا، پھر اس کو لوگوں میں پھیلایا، اور عام کیا، لوگوں کی رہنمائی کی، اور علم کی مجلسیں قائم کیں تو وہ ایسی روشنی ثابت ہوئی جس سے لوگ راستہ پاتے ہیں، اور اس کی پیروی کرتے ہیں، ایسے شخص کی مثال رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس میں اس پاکیزہ اور اچھی زمین کی سی ہے جس پر بارش ہوئی تو اس نے پانی کو قبول کیا اور خوب گھاس پودے اگائے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ایک بڑی تعداد کو نفع پہونچایا۔

دوسری وہ زمین جو پیڑ پودے تو نہیں اُگاتی ہے، لیکن پانی کو روک رکھتی ہے، تو انسان و حیوان اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے پیتے ہیں، کھیتیوں کو سینچتے ہیں، اور اپنے چوپایوں کو پلاتے ہیں، یہ دوسرے قسم کے انسانوں کی مثال ہے، جن کا حافظہ تو قوی ہے لیکن فہم ناقص ہے جس کی وجہ سے وہ خود احکام و معانی کا استنباط نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اجتہاد کر کے اس پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں، اور علم کے پیاسے، اور طلب کرنے والے ان کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے حاصل کرتے ہیں،

اور فائدہ اٹھاتے تو ایسے لوگ بھی دوسروں تک پہونچانے میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری قسم اس زمین کی ہے جو چٹیل ہو، جس میں نہ تو پانی ہی جذب ہوتا ہو کہ اس میں پودے اگ سکیں، اور نہ ہی وہ پانی کو روک سکتی ہو کہ لوگ اور جانور اس سے فائدہ اٹھا سکیں، یہ مثال ان لوگوں کی ہے جن کے دل نہ تو علم کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور نہ ہی ان کے پاس سمجھ بوجھ ہے، ایسے لوگ جب علم کی باتیں سنتے ہیں تو نہ خود اس پر عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے اس کا سننا نفع بخش ثابت ہو سکے، اور نہ ہی وہ اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے ہیں کہ دوسرا ہی ان سے فائدہ اٹھا سکے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو داعی، نذیر، مبشر، اپنی امت پر سراپا شفقت و رحمت، ان کی دنیاوی سعادت و خوش بختی، اور قیامت کے دن دوزخ سے برأت و نجات اور جنت میں داخلہ، اور اس کی نعمتوں سے امت کے سرفراز ہونے کا آرزومند بنا کر مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اسی بنیادی اصول کو پختہ اور مضبوط کرنے میں صرف کی جو انسان کو جہنم سے نجات دلا سکے، چنانچہ توحید کو عام کیا، اس کے ارکان قائم کئے، اللہ واحد و وحید کی عبادت کے طریقے بتائے اور خود کو اس کا کاربند و پابند بنایا، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس کی دعوت دی تو انہوں نے اس پر لبیک کہا اور دین کو صرف اللہ وحدہٗ کے لئے قائم کیا، نیز توحید کو مخدوش کرنے والی ہر چیز کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، شیطان اور اس کے ہمنواؤں کے راستے مسدود کر دئے۔

شرک اور اہل شرک سے جنگ کی، اس کے لئے لشکر کشی کی اور پورے جزیرہ عرب کو شرک سے پاک کر دیا بلکہ وہاں کے لوگوں میں دوبارہ شرک عود کرنے کے کسی بھی امکان کو بالکل ہی ختم کر دیا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت، اللہ کے اوامر کو بجالانے اور منع کی ہوئی باتوں سے اجتناب کرنے کی دعوت دی۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے لوگ ہیں جو اپنے کو جہنم میں گرنے سے نہیں بچا سکتے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ أَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّابٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى.

(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة)

میری امت کا ہر شخص جنت میں جائے گا مگر وہ نہیں جائے گا جس نے انکار کیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسی چیزوں پر مصر ہیں اور ان کا مسلسل اور پابندی سے ارتکاب کرتے جاتے ہیں جو اللہ کو ناراض کرنے والی، غضب الٰہی کی موجب اور جہنم رسید کرنے والی ہیں، جیسے بدافعال و بدکردار لوگوں کی پیروی اور ان کے طریقے اختیار کرنے والے، اللہ کے دین میں بدعت پیدا کرنے والے، قبر پرست، کاہن اور فاسق و فاجر وغیرہ، جو حدود اللہ کی پامالی کرتے رہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنی دعوت، حمایت اور اپنی قوم کو جہنم سے روکنے کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَاحَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا ، وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَ يَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا، قَالَ فَذٰلِكُمْ مَثَلِيْ وَ مَثَلُكُمْ،

میری مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے آگ روشن کی پس جب اس کے ارد گرد روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے اس آگ پر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکنے لگا لیکن وہ سب اس پر غالب آ گئے اور اس آگ میں گر پڑے

أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، فَتَغْلِبُوْنِیْ وَ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا،
(مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقته ﷺ علی أمته)

آپ ﷺ نے فرمایا یہی میری اور تمہاری مثال ہے میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر جہنم سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جہنم سے بچو، جہنم سے بچو لیکن تم لوگ مجھ پر غالب آجارہے ہو اور اس میں گرے پڑ رہے ہو۔

حضور ﷺ نے اپنی مثال اس شخص سے دی جس نے آگ روشن کی، جب کیڑے مکوڑوں نے اس کی روشنی کو دیکھا تو وہ اس پر ٹوٹے پڑنے لگے اپنے آپ کو ہلاک کرنے لگے حالانکہ وہ شخص اس آگ میں پڑنے اور جلنے سے ان کو روکتا رہا، لیکن وہ کیڑے اپنی خواہش کے چکر میں انجام سے بے خبر ہو کر اور صحیح تمیز نہ کر سکنے کی وجہ سے اس پر ٹوٹے پڑتے رہے، آپ ﷺ نے فرمایا بعینہ یہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تم کو آگ میں گرنے سے بچانے اور حفاظت کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر تم مجھ پر غالب آکر گرے پڑتے ہو، یعنی آپ ﷺ نے اسلامی تعلیمات اور اس کے داعیوں کے موجود ہونے کے باجود جاہل و نافرمانوں کا گناہوں اور ہوی پرستی کی وجہ سے آخرت کی آگ میں گرنے کی مثال دنیا کی آگ میں کیڑے مکوڑے کے گرنے سے دی۔

حضور ﷺ نے خیر کا کوئی بھی راستہ ایسا نہ چھوڑا جس کی رہنمائی اپنی امت کو نہ کی ہو اور شیاطین و شر کا کوئی راستہ ایسا نہ چھوڑا جس کو بند نہ کیا ہو اور اس سے اپنی امت کی حفاظت نہ کی ہو۔

آپ ﷺ بہت ہی نرم خو و نرم گفتار تھے، اپنے صحابہ سے نرمی سے گفتگو فرماتے، آپ اہلِ ایمان کے حق میں بہت رحم دل اور سراپا شفقت تھے، ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار فرماتے، ان سے بات چیت کرتے، ان کی خیر خواہی کرتے، ان کو سکھاتے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے، ہر موقع و ہر میدان میں نازل شدہ احکام کو برتتے اور رہنمائی فرماتے، ہر شر و شرک کے راستہ سے ان کو روکتے اور ان کی حفاظت فرماتے، اور

اس کے ہر دروازہ و راستہ کو بند کر دیتے تا کہ وہ اس میں نہ پڑنے پائیں اور نہ ہی انہیں کسی طرح کے شر سے دوچار ہونا پڑے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار اور نافرمان

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نور و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو بلاشبہ رشد و ہدایت اور صراطِ مستقیم کی رہنما ہے۔

حضور ﷺ نے تمام لوگوں کو اللہ کے حکم سے دین قویم کی طرف بلایا، اور ان کو تاریکی سے روشنی، گمراہی سے ہدایت، اور کفر و شرک کی جہالت سے ایمان و تقویٰ کے نور کی طرف نکالنے میں انتھک کوشش کی، بہت سے لوگوں نے اس بابرکت دعوت کا مقابلہ ہٹ دھرمی و نافرمانی سے کیا اور سمع و طاعت سے دست کش رہے اور بہت سے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اور اپنے رب و مولا اللہ وحدہ پر ایمان لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں گروہوں یعنی مطیع و فرمانبردار اور عاصی و نافرمان کی مثال بیان کی اور فرمایا:

مَثَلِیْ وَ مَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ: يَا قَوْمِ اِنِّی رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنِيْ، وَ اِنِّیْ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ، فَأَطَاعَتْهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمٍ فَأَدْلَجُوْا وَ انْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوا، وَ كَذَّبَتْهُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ

میری مثال اور اس (ہدایت) کی مثال جس کو دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر یہ کہے کہ اے میری قوم! میں نے لشکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تم کو کھلم کھلا آگاہ کرنے والا ہوں تو تم اس سے خوب خوب بچو، تو اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی

فَاَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ وَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهٖ وَ مَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَ کَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ .
(کنزالعمال: ۱/۱۸۰)

اور وہ لوگ رات کو اطمینان سے نکل گئے اور نجات پا گئے اور کچھ لوگوں نے اس کو جھٹلایا اور اپنی ہی جگہ ٹھہرے رہے اور صبح کی، چنانچہ صبح ہوتے ہی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور جڑ سے اکھاڑ پھینکا، پس پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری اطاعت کی اور میرے لائے ہوئے احکام کی اتباع کی اور دوسری مثال ان لوگوں کی جنہوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے حق کو جھٹلایا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر جو شخص عمل پیرا ہوگا، اور اپنی زندگی میں آپ ﷺ کے اوامر و نواہی سے فائدہ اٹھائے گا وہ شیطان کے حملہ سے محفوظ رہے گا اور اس دنیا سے بحفاظت آخرت کی طرف کوچ کر جائے گا، اور جو آپ ﷺ کی صداقت پر شبہ کرے گا، اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالے گا، وہ شیطان کے حملہ کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

حدود اللہ ـــــ رعایت اور عدم رعایت

حدود کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے کبھی ان احکام پر جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے جیسے واجبات، مستحبات اور مباح و جائز باتیں، تو جو شخص اس میں مقررہ حد سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کی منہیات کی طرف قدم بڑھائے گا وہ حرام کا مرتکب ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان حدود میں تعدی کرنے اور حد سے بڑھنے سے منع فرمایا ہے ارشاد باری ہے:

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ. (الطلاق : ۱)

اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

اورارشاد ہے:

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ . (البقرة : ۲۲۹)	اور جوکوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائے گا سوایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں۔

حدود کی حفاظت اوراس کا پاس ولحاظ رکھنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اورحلال وحرام کی حدود سے ناواقفوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ . (التوبہ: ۹۷)	دیہاتی (منافقین) کفرونفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کاعلم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پرنازل کئے ہیں۔

کبھی حدود سے خودحرام چیزیں ہی مراد ہوتی ہیں، اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ حدود کے قریب بھی مت جاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (البقرہ: ۱۸۷)	یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا۔

فعل حرام پر جوشرعی سزائیں دی جاتی ہیں انہیں بھی ''حدود'' کہا جاتا ہے جیسے زنا کی حد، چوری کی حد، شراب نوشی کی حدوغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے حدوداللہی کا پاس ولحاظ رکھنے، محرمات ومنہیات سے اجتناب کرنے اورحدوداللہی میں تعدی وحرام کاارتکاب کرنے والوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ ، فَاَصَابَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ اَسْفَلُهَا فَكَانَ	اس شخص کی مثال جواللہ کے حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی مثال جو اللہ کے حدود میں پڑنے والا ہے اس قوم کی سی ہے جوایک جہاز میں بیٹھے ہوں اورقرعہ

الَّذِيْنَ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ يُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَاِنْ يَّتْرُكُوْ هُمْ وَ مَا اَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَ اِنْ أَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا.

(بخاری: کتاب الشرکة، باب هل یقرع فی القسمة)

سے جہاز کی منزلیں مقرر ہوگئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصہ میں ہوں اور بعض لوگ نیچے کے حصہ میں ہوں، جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر کے حصہ پر آ کر پانی لیتے ہیں، (تو اگر نیچے والے یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار پانی کے لئے اوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے) ہم اپنے ہی حصہ (یعنی جہاز کے نیچے کے حصہ) میں ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں (جس سے پانی یہاں ملتا رہے) اور اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے، ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان (احمقوں کی اس تجویز) کو نہ روکیں گے اور خیال کر لیں گے کہ وہ جانیں ان کا کام، ہمیں ان سے کیا واسطہ (تو اس صورت میں جہاز غرق ہو جائے گا) اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

ایک قوم ایک کشتی پر سوار ہے کچھ لوگ کشتی کے اوپری حصہ پر ہیں اور کچھ لوگ نیچے کے حصہ پر، نیچے رہنے والے لوگ بغیر اوپر جائے ہوئے پانی حاصل نہیں کر سکتے، اور ان کے بار بار اوپر جانے سے وہاں کے رہنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے تو ان لوگوں

نے سوچا کہ پانی حاصل کرنے کے لئے کیوں نہ کشتی کے تختہ ہی میں سوراخ کرلیں تا کہ بار بار اوپر جانے سے وہاں والوں کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ پڑے، اب غور فرمایئے اگر انہیں ایسا کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور ان کو روکا نہ جائے تو پھر اس کا کیا انجام ہوگا؟

امت اسلامیہ جسم واحد کی طرح ایک امت ہے اس کے افراد باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، وہ لوگ اپنے معاملات، عبادات اور زندگی کے میدان میں سیسہ پلائی ہوئی عمارت کے مانند ہیں، ان کا عقیدہ ایک ہے، انکا مقصد حیات ایک ہے، پس اگر ان میں کوئی جماعت صحیح ڈگر سے ہٹ جائے تو امت کے بقیہ افراد پر ضروری ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں اور ان کو صحیح راستہ پر لگادیں، اور اس غلط راستہ سے حکمت وموعظت کے ذریعہ انہیں درستگی پر لے آئیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْماً فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ : اَنْصُرُہٗ اِذَا کَانَ مَظْلُوْمًا اَفَرَأَیْتَ اِذَا کَانَ ظَالِمًا کَیْفَ اَنْصُرُہٗ ؟ قَالَ: تَحْجِزُہٗ اَوْتَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ ، فَاِنَّ ذٰلِکَ نَصْرُہٗ .

(بخاری: کتاب الاکراہ)

اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، ایک شخص نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ (یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ) جب وہ مظلوم ہوگا تو اس کی مدد کروں گا، لیکن جب وہ ظالم ہوگا تو اس کی کیسے مدد کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارے دین کی اصولی اور بنیادی چیز ہے جب تک ہم اس پر عمل پیرا رہیں گے خوش حالی و نیک بختی کی زندگی گذاریں گے اور شر و رفتن سے محفوظ رہیں گے۔

صراط مستقیم

اسلام اللہ کا دین ہے اور یہی ''صراط مستقیم'' اور وہ واضح راستہ ہے جس میں کسی طرح کی کجی نہیں، یہی اللہ کا دین حق ہے جس سے اس نے اپنے مؤمن بندوں کو نوازا ہے اور ان سے اس کی پابندی اور اس پر جمے رہنے کا مطالبہ کیا ہے، یہی اللہ کی مضبوط رسی ہے اور جنت تک لے جانے والی راہ ہے، جس شخص نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے ایک ایسے مضبوط دستہ کو تھام لیا ہے جو کبھی اس کے ہاتھ سے چھوٹنے والا نہیں اور پھر اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جائے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین، کتنی اچھی ہے ان حضرات کی رفاقت!

حقیقت یہ ہے کہ صراط مستقیم کی اتباع کرنا اور اسی پر جمے رہنا، اور دین کے امور کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنا یہی سب سے بڑی کامیابی اور فلاح ونجاح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صراط مستقیم کی مثال یوں بیان فرمائی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَ عَلٰى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ ، فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ، وَ عَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُّرْخَاةٌ وَ عَلٰى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ: اَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوْا الصِّرَاطَ جَمِيْعًا وَ لَاتَتَفَرَّجُوْا، وَ دَاعٍ يَدْعُوْا مِنْ جَوْفِ الصِّرَاطِ فَاِذَا اَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ

اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال بیان فرمائی کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ کے دونوں جانب شہر پناہ ہیں اور شہر پناہ میں بہت سے دروازے کھلتے ہیں اور ان دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں راستہ کے دروازہ پر ایک داعی ہے جو پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے لوگو تم سب کے سب اس راستہ میں داخل ہو جاؤ اور ادھر ادھر مت بھکو، اور ایک

لَا تَفْتَحْهُ، فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ، وَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ وَالسُّوْرَانِ حُدُوْدُ اللّٰهِ تَعَالٰی، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ ذٰلِکَ الدَّاعِیْ عَلٰی رَأْسِ الصِّرَاطِ کِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ وَالدَّاعِیْ فَوْقَ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُسْلِمٍ.

(مسند احمد : ۴ / ۱۸۳، عن نواس بن سمعانؓ)

داعی راستہ کے اوپر سے پکارتا ہے کہ جب کوئی انسان ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کچھ کھولنا یا پردہ اٹھانا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تیرا ناس ہو اس کو مت کھولو اس لئے کہ اگر کھولو گے تو اس میں داخل ہو جاؤ گے، پس یہ راستہ اسلام ہے اور دونوں جانب کے شہر پناہ، اللہ کے حدود ہیں اور اس میں کھلنے والے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں راستہ کے سرے پر جو داعی ہے وہ اللہ کی کتاب ہے اور راستہ کے اوپر جو داعی ہے وہ ہر مسلم کے دل میں اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا ضمیر ہے۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک سیدھا پر امن راستہ ہے جس میں کسی طرح کی کجی نہیں ہے اور اس کے دونوں طرف فصیلیں ہیں اور ان دونوں فصیلوں میں داخل ہونے کے لئے بہت سے دروازے اس راستہ سے کھلتے ہیں اور ان دروازوں پر کپڑے اور پردے لٹکے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اندر کی چیزیں نظر نہیں آتیں اس سیدھے راستہ کے پہلے سرے پر ایک منادی ہے جو یہ آواز لگاتا رہتا ہے کہ اس راستہ میں داخل ہو جاؤ اور سیدھے چلے جاؤ، اور ایک منادی اس کے آخری سرے پر ہے جو اس اندیشہ سے کہ کہیں اس راستہ پر چلنے والا ان دروازوں میں نہ داخل ہو جائے زجر و توبیخ کرتا رہتا ہے۔

پس اللہ کا سیدھا راستہ اسلام ہے، انبیاء و صالحین کا راستہ ہے، اور ہمیں اسی کو اختیار کرنے اور اللہ کے مؤمن و صالح بندے کے طریقہ پر چلنے کا حکم ملا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ — اور (یہ بھی کہہ دیجئے) کہ یہی میری سیدھی

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (الانعام: ۱۵۳)

شاہراہ ہے سواسی پر چلو، اور راہوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

اچھے اور بُرے ہم نشیں

اس عالم وجود میں انسان لوگوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارتا ہے، ان سے میل جول رکھتا ہے، ان کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں انہیں میں سے کچھ کو وہ اپنا دوست بھی بناتا ہے، امتداد زمانہ کے ساتھ دوستی بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے، اس صحبت و تعلق کے بہت سے اسباب ہیں جو انسان کے ایک دوسرے سے تعلق و ہم نشینی اختیار کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، کچھ لوگوں کے تعلق کا سبب مال ہوتا ہے کہ صاحبِ مال سے تجارتی معاملات یعنی خرید و فروخت ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے درمیان تعلق و دوستی ہو جاتی ہے پھر وہ باہم ایک ساتھ مل جل کر بیٹھتے اٹھتے ہیں، اسی طرح صنعت و حرفت اور دیگر کاروبار والے آپس میں اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں۔

قرابت، پڑوس، درس و تدریس، اسفار اور بہت سی دوسری چیزیں انسان کے آپس کے تعلقات اور دوستی و ہم نشینی کا سبب بنا کرتی ہیں۔

پھر انسان اپنے انہیں اہل تعلق اور میل جول رکھنے والوں میں سے کسی کو اپنا خاص دوست و محبّ بنالیتا ہے جس کے ساتھ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس کی باتوں کو غور سے سنتا ہے، اور کبھی اس کو اپنی زندگی کے لئے اسوہ ونمونہ قرار دے کر اس کی روش کو اختیار کرتا ہے اور اس کے طور وطریقہ پر چلتا ہے۔

یہ ایک ایسی اہم چیز ہے جو انسان کے فکر، عقیدے اور اس کی زندگی کے عملی میدان

کو رخ دینے میں اہم رول ادا کرتی ہے چنانچہ اسی اہمیت کے پیش نظر حضور ﷺ نے ہم نشینی کی قسمیں بطور مثال بیان فرمائیں تاکہ صالح ہم نشیں کے اختیار کرنے کی صحیح اور واضح رہنمائی مل جائے اور بُرے ہم نشیں سے اجتناب کیا جاسکے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ يُّحْذِيَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَ اِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ اِمَّا اَنْ يُّحْرِقَ ثِيَابَكَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً.

(مسلم، كتاب البر والصلة والآداب)

نیک و بد ہم نشیں کی مثال اسی طرح کی ہے جیسے مشک والا اور بھٹی پھونکنے والا، پس مشک والا یا تو تجھے مشک کا تحفہ دے دے گا، یا تو اس سے مشک خریدے گا، یا پھر کم از کم اس کے پاس بیٹھنے سے تجھے عمدہ خوشبو تو سونگھنے کو ملے گی ہی، اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا، اور یا (کم از کم) اس (کے پاس بیٹھنے) سے تجھے بدبو سونگھنا پڑے گی۔

صالح ہم نشیں وہی انسان ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کرتا ہو، اس کی اطاعت وعبادت میں لگا رہتا ہو، اور کتاب وسنت کا عملی نمونہ پیش کرتا ہو، ایسا انسان سراپا خیر اور اپنے متعلقین کے حق میں مفید ونافع ہوتا ہے۔

ایسے شخص کی ہم نشینی سے اللہ تعالیٰ نفع پہونچاتا ہے یا تو ہم نشینی اختیار کرنے والا دین کا علم اور اس کی سمجھ حاصل کرتا ہے یا زندگی کے امور میں سے کسی امر میں اپنی حسب خواہش مدد پاتا ہے وہ بہر حال اس کے پاس اپنے سوال کا جواب اور معاملہ کا حل پالیتا ہے۔

ایسے صالح ہم نشین کی مثال عطار کی سی ہے جس کے پاس ہر طرح کی اچھی خوشبو ہو کہ طبع سلیم خوشبوؤں کی دلدادہ ہوا کرتی ہے، پس انسان ایسے عطار سے جس قدر قریب ہوگا اسی قدر اچھی خوشبو سے لطف اندوز ہوگا، اور بعض اوقات اس سے خریدے گا بھی یا وہ اس کو تحفۃً دے گا۔

اگر بالفرض نہ خریدے اور نہ ہی وہ ہدیہ دے تب بھی وہ خسارہ میں نہیں بلکہ نفع ہی نفع میں رہے گا، اس طرح کے لوگوں سے انسان جتنا ہی قریب ہوگا اور جس قدر زیادہ ہم نشینی اختیار کرے گا اتنا ہی نفع اور فائدہ میں رہے گا، اس لئے کہ جو چیز اس کے پاس ہے اس میں شر کا شائبہ تک نہیں بلکہ وہ سراپا خیر ہی خیر ہے، اس کی گفتگو بھی خیر اس کا عمل بھی خیر پس ایسے شخص کی صحبت سے شر کا تو کوئی امکان نہیں خیر ہی حاصل ہوگا اور صحبت اختیار کرنے والا بہر حال خوش قسمت و نیک بخت ہی ہوگا۔

بُرا ہم نشیں وہ شخص ہے جس کا دل ایمان اور نور رحمان سے خالی ہو وہ اس دنیا میں اندھا ہے نہ تو حقیقی بصارت کا مالک ہے اور نہ ہی بصیرت کا، تو وہ کیسے دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے؟ وہ اپنے آپ ہی کو حقیقی نفع پہونچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دوسروں کو کیا نفع پہونچا سکتا ہے؟ یہ شخص حق کی اتباع اور اللہ رحمان و رحیم کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی سے کوتاہی کرتا رہا، پس اس کے پاس سوائے شر کے اور کچھ بھی نہیں ہے، اس کی باتیں بھی شر اور اس کا عمل و فعل بھی شر۔

ایسے شخص کی ہم نشینی سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں یا تو اس کو ایسے لوگوں کے غلط افکار و خیالات سے نقصان پہونچے گا جو سراسر ضلالت و گمراہی، فساد و بگاڑ اور دوسرے گمراہ لوگوں کی خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم : ۳۲) ہر گروہ نازاں ہے اس (طریق) پر جو اس کے پاس ہے۔

یا پھر وہ اپنی تیز طرار زبان سے غیبت، چغلی، جھوٹ و بہتان کے ذریعہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح اس کی صحبت میں رہنے والا اس کے غیر نافع و غیر صحیح بلکہ نقصان دہ عادات و اطوار سے متأثر ہوئے نہیں رہ سکتا مثلاً بخل، ٹھٹھا، استہزاء، لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنا بے فائدہ وقت ضائع کرنا اور دوسروں کے حقوق برباد کرنا وغیرہ۔

چنانچہ ایسے لوگ جن کے پاس کثرت سے ہنسی، ٹھٹھا، لغو و جھوٹ باتیں افترأ پردازی، زمین میں فساد و بگاڑ، دین حق ماننے والوں سے جنگ و جدل اور اللہ کے راستہ سے روکنے کی سازشوں کے سوا کچھ نہیں ہے ان کی مثال اللہ کے رسول ﷺ نے لوہار سے دی ہے جو اپنے پاس بیٹھنے والوں کو گندی بو اور دھویں سے تکلیف پہونچاتا رہتا ہے اور بعض وقت تو اس کی بھٹی سے اڑنے والی چنگاری کپڑے پر پڑتی ہے اور اس کو جلا دیتی ہے۔

نیک لوگوں کی ہم نشینی اور برے لوگوں کی ہم نشینی میں بڑا اور واضح فرق ہے، جو لوگ آخرت کو نظر انداز کر کے صرف دنیاوی جذبات، ٹیپ ٹاپ اور آرائش و زیبائش کی بنیاد پر دوستی رچاتے بساتے ہیں وہ قیامت کے دن باہم سخت نزاع و اختلاف اور عداوت و دشمنی کے شکار ہوں گے۔ لیکن اہلِ تقویٰ و صالحین وہاں بھی باہم محبت و الفت کے جذبات سے لبریز ہوں گے، ارشاد خداوندی ہے:

اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ. (الزخرف:٦٧)	اس روز (دنیا کے) جگری دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں)۔

دنیا کی ہر وہ دوستی و ہم نشینی جس کی بنیاد اللہ کی محبت و رضا اور اللہ کو خوش کرنے والی چیزیں نہ ہوں وہ دوستی قیامت کے دن ان دوستی کرنے والوں کے مابین عداوت اور ایک دوسرے پر لعن وطعن کرنے میں بدل جائے گی۔

لیکن نیکوکار اور اللہ کے لئے دوستی کرنے والے آخرت میں خوش قسمت رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی محبت و مودت میں دنیا سے بھی زیادہ اضافہ فرمادے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی اس مثال کے واضح ہوجانے کے بعد ہر ہوشمند و ذی شعور انسان کو چاہئے کہ وہ یار، دوست اور ہم نشیں کو چن کر اختیار کرے اس کا ہم نشیں نیک لوگوں میں سے ہونا چاہئے جو صحیح اور دنیا و آخرت کے لئے نفع بخش علم سے اپنے ساتھ رہنے والوں کو جلا بخشتا رہتا ہو اور اچھے اور بہتر اخلاق سے آراستہ ہوتا کہ جب

وہ اس سے مدد طلب کرے تو خیر پر اس کا مددگار ثابت ہو اور جب وہ اس کے ساتھ چلے تو وہ خیر وصلاح کے راستہ پر لے جائے، اور جب اس سے سوال کرے تو اس کا جواب نفع بخش ہو پس بہترین ہم نشیں صالح ونیک ہم نشیں ہے!

برائی کے بعد نیکی

انسان سے بہت سے عوامل واسباب کی بناء پر کہ وہ خطا ونسیان کا پتلا ہے، گناہ کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔

انسان جب بکثرت گناہ کا مرتکب ہونے لگتا ہے اور گناہوں کا انبار اس کے کاندھے پر لد جاتا ہے تو پھر اس کے ایمان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور احکامِ دین کے سیکھنے، نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان سے کچھ حاصل کرنے میں وہ برائیاں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں، اور جتنی زیادہ برائیوں کا صدور ہوتا ہے اسی قدر اللہ رب العزت سے دوری اور زندگی اس پر تنگ ہوتی جاتی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ورحم کرنے والا ہے اس نے ایسی چیزیں بھی رکھی ہیں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں انہیں میں سے ایک برائی صادر ہو جانے کے بعد اچھائی اور نیکی کا کرنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ.
(هود: ۱۱۴)

بیشک نیکیاں مٹادیتی ہیں بدیوں کو یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

وَاتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا

برائی کے بعد نیکی کرلو کہ وہ اس کو مٹادیتی ہے

(مسند احمد: ۵/ ۱۵۳، عن أبی ذر غفاریؓ)

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی مثال بیان فرمائی ہے جو برائیوں کے ارتکاب کے بعد نیک اعمال کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ الَّذِیْ یَعْمَلُ السَّیِّئَاتِ ثُمَّ یَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ کَمَثَلِ رَجُلٍ کَانَتْ عَلَیْهِ دِرْعٌ ضَیِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَکَّتْ حَلَقَةٌ، ثُمَّ عَمِلَ اُخْرٰی، فَانْفَکَّتْ حَلَقَةٌ اُخْرٰی حَتّٰی یَخْرُجَ اِلَی الْاَرْضِ (المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۷/ ۲۸۴ عن قبة بن عامر)

اس شخص کی مثال جو بُرائیاں کرتا ہے پھر اس کے بعد نیکیاں کرنے لگتا ہے اس شخص کی سی ہے جس کے جسم پر ایک تنگ زرہ ہو جس سے اس کا دم گھٹ رہا ہو پھر وہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس زرہ کا ایک حلقہ کھل جاتا ہے پھر ایک دوسری نیکی کرتا ہے دوسرا حلقہ کھل جاتا ہے (اس طرح سے وہ نیکیاں کر کرکے) اپنے آپ کو باہر نکال لاتا ہے۔

انسان فعل قبیح کی وجہ سے گھٹتا رہتا ہے اور لوگوں کے درمیان بے وزن ہو جاتا ہے اس کی شہرت وحیثیت متاثر ہو جاتی ہے، وہ اللہ اور نیک بندوں کے نزدیک بے قدر و قیمت ہو جاتا ہے، یہ تو اس کی دنیاوی سزا ہوئی، اور آسمان پر اہل آسمان کے نزدیک نہ اس کا کوئی ذکر و چرچا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ومعیار، لیکن جب وہ اچھائیاں اور نیکیاں کرتا ہے تو پھر یہ نیکیاں ان برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور وہ انسان آزاد ہو جاتا ہے پھر اس کی حیثیت اہل زمین کے نزدیک بھی اور اہل آسمان کے نزدیک بھی بلند ہو جاتی ہے، اور جب وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور میں حاضر ہوگا تو فوز وفلاح سے ہم کنار ہوگا۔

بلاضرورت سوال کرنا

اوپر کا ہاتھ یعنی دینے والا نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے سے بہتر ہے، اور وہ ہاتھ جو برابر صدقہ کرتا رہے، لوگوں کو دیتا رہے، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرتا رہے، گردش زمانہ کے

گرفتار مصیبت زدہ کی مدد کرتا رہے ان کی خامیوں کی تلافی کرتا رہے اور اس مساعدت و مدد پر قائم و باقی بھی رہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا شخص بابرکت اور توفیق یافتہ ہے۔

انسان جب حلال کمائی اور کام کے لئے کوشش کرتا ہے اور پھر اللہ کی عطا کردہ روزی ایک ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھ سے اللہ ہی کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے نزدیک پاکیزہ، بندوں کے لئے نفع بخش اور زمین پر بھلائی کو عام کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

وہ فقراء و ضرورت مند جو لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور واقعی وہ صدقہ وعطیہ کے مستحق ہیں تو ہم کو ان کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہ لوگ جو اس کے مستحق نہیں ہیں بلکہ وہ بلا ضرورت مانگا کرتے ہیں، لوگوں کو تکلیف پہونچاتے اور فقراء و ضرورتمندوں کا حق مارتے ہیں، ایسے لوگوں اور اس طریقہ کو اختیار کرنے والوں کے سلسلہ میں سخت زجر و توبیخ کے ساتھ ایک مثال بیان کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلَّذِیْ یَسْأَلُ مِنْ غَیْرِ حَاجَةٍ کَمَثَلِ الَّذِیْ یَلْتَقِطُ الْجَمْرَ	جو شخص بلا ضرورت سوال کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو انگارہ اٹھا رہا ہو۔

(کنز العمال: ۶/۴۹۵)

یہ اس شخص کی مثال ہے جو بلا ضرورت صرف اپنی خواہش نفس کی تسکین، شیطان کے بہکاوے میں آکر مال جمع کرنے اور خود غرضی کی وجہ سے بخل و حرص اور دنیا کی محبت کا شکار ہو کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے

اللہ تعالیٰ کے کچھ معزز بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید، عبادت اور اطاعت کے لئے منتخب فرمایا ہے، ان لوگوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کی خوشنودی میں

صرف کردی اور ہر نیک وخیر کے کام میں سبقت کی، ان کے اقوال وافعال سب اخلاص پر مبنی ہوتے تھے، وہ جو کچھ کرتے یا کہتے تھے وہ محض اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے ہوتا تھا انہیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الانعام : ۱۶۲)	آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں (کوئی) اس کا شریک نہیں۔

پس وہ عاجزی وفروتنی اختیار کرنے، نماز پڑھنے، سجدہ کرنے، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے اللہ کے بندے ہیں، وہ لوگ ہر اس بھلائی کے کرنے والے ہیں جو انہیں اپنے مولیٰ و پروردگار اللہ رب العزت سے قریب کردے، وہ حدودِ الٰہی کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں ڈر وخوف کے ساتھ کہ کہیں اس میں تعدی وزیادتی نہ ہوجائے، پس اللہ بھی ان سے راضی ہوگیا، اللہ نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کے لئے خوش قسمتی وخوشنودی کا گھر جنت تیار کیا، یہ دراصل نیکیوں کا بدلہ ہے، اور طاعتوں کا بدلہ بجز عنایتوں کے اور کیا؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے اللہ کے بتائے ہوئے مختلف احکام کی تعمیل میں لگے ہوئے ہیں، انہیں احکام میں سے ایک حکم جہاد کا بھی ہے، جہاد میں انسان اپنی انتہائی عزیز چیز (جان) کو قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اگر وہ اس سلسلہ میں مخلص ہے اور صرف رضائے الٰہی اور کلمہ الٰہی کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے تو اس کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ـــ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُّجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِهٖ ـــ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ ، وَ	اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ـــ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ میں جہاد کرتا ہے ـــ اس شخص کی

تَوَكَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِهٖ بِأَنْ يَّتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْغَنِيْمَةٍ .
(بخاری ، کتاب الجهاد والسیر، باب افضل الناس مؤمن الخ)

سی ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ نماز پڑھتا رہتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد کرنے والے کی ضمانت لے لی ہے کہ اگر اس کو موت دے گا تو جنت میں داخل فرمائے گا یا پھر اس کو صحیح سالم اجر و غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔

یہ ایک واضح اور مکمل مثال ہے اس شخص کی جو اس کے راستہ میں جنگ کرتا ہے اپنی نیت کو خالص کرتے ہوئے محض اللہ کی رضا کے لئے اور اسلام اور مسلمانوں کے جھنڈے اور دین کی شان کو بلند کرنے کے لئے۔

تو جس شخص کا یہ عمل اور یہ نیت ہوگی تو اس کو اس شخص کے برابر اجر ملے گا جو رات و دن صرف اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہو، دنیا سے بے تعلق ہو کر آخرت کا آرزومند اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں منہمک ہو اور پھر وہ جنت میں انبیاء، صدیقین اور صالحین کے ساتھ ہوگا ــــ یہ کتنی اچھی صحبت و رفاقت ہوگی!

آپ ﷺ کے ذریعہ قصر نبوت کی تکمیل

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے میں بڑی بڑی محنتیں اور کوششیں کی ہیں اور خود حضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ پیغام کی تبلیغ میں گزار دی تاکہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لایا جاسکے، انہیں اس دعوت و تبلیغ کی راہ میں قسم قسم کے استہزاء و تمسخر اور انکار سے دو چار ہونا پڑا، انہوں نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کیں غرضیکہ انہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کا حق ادا کیا، جن لوگوں نے ان کی بات مانی، سمع و طاعت کو اپنا شیوہ بنایا اور ان کے

طریقہ کی پیروی کی وہ کامیاب اور اپنے رب کی خوشنودی سے بہرہ ور ہوئے اور شرک و کفر کے سرغنے جو سمع وطاعت سے باز رہے تھے وہ ان کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان ہادی، مبشر، نذیر اور اللہ رب العزت کی طرف بلانے والے کی حیثیت سے تشریف لائے، آپ ﷺ نے لوگوں کو جہل اور کفر وشرک کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکالا اور ان کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ، پر ایمان لے آئیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا وتنہا معبود ہے اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت رب رحمان کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے بہت بڑی رحمت تھی۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو دنیا جہاں پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ توحید کے اس محل کی تعمیر مکمل کی جس کے لئے انبیاء ورسل مبعوث ہوئے تھے اور جس کا ان کو مکلّف بنایا گیا تھا اور جس کے لئے مسلمانوں نے جنگ کی، پس آپ ﷺ کی بعثت ایک عظیم قصر کی تکمیل تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ پہلے نبیوں اور رسولوں کی کوششوں اور محنتوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور تمام ادیان ومذاہب پر اللہ کے دین کے غلبہ کے ساتھ اللہ کی رحمت پوری ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی، فرمایا:

اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهُ وَاَجْمَلَهُ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ يَعْجَبُوْنَ لَهُ وَ يَقُوْلُوْنَ: هَلَّا وُضِعَتْ

میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط و مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی

هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَ اَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّنَ.

(بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں اور مجھ پر نبوت ختم ہوگئی۔

انسان نقشۂ نبوی میں

اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ساتھ آزمائشیں مقدر فرمادی ہیں جو انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتیں اور پوری زندگی کے ساتھ لگی رہتی ہیں، ولادت ہی کے دن سے وہ اس کے پہلو میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور کبھی اس سے الگ نہیں ہوتیں۔

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں!

رسول اللہ ﷺ نے ان مصائب کی کثرت کو جو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور اس کی زندگی کے خاتمہ کا سبب بھی بن سکتی ہے ورنہ پھر بڑھاپا، اور اس کے بعد موت کہ ان تینوں کو ایک مثال سے یوں بیان فرمایا:

مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰی جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً، اِنْ اَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِی الْهَرَمِ حَتّٰی يَمُوْتُ

(الترمذی، کتاب القدر)

ابن آدم کی یہ حالت ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے قسم کی آزمائشیں ہیں اگر ان ساری آزمائشوں سے بچ گیا تو بڑھاپے کا ضرور شکار ہوگا اور اس کے بعد موت سے دوچار ہوگا۔

غرض تمام ابتلاؤں سے بچ جائیں تب بھی بڑھاپے سے مفر نہیں کہ وہ تو ہر حال میں آنا ہی ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ اس کی کوئی دوا نہیں، اور یہ ہر انسان کی یقینی انتہا ہے جس سے کسی کو نجات نہیں (۱)

اس لئے انسان کو چاہئے کہ احتیاط برتے، ہر وقت اور ہر حال میں آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کی کثرت اور خوفِ الٰہی کے ساتھ تیار رہے اور ہر آن اس کے لئے کوشاں رہے کہ اس کا دن و رات اللہ کی اطاعت اور ذکر و استغفار میں گذرے، وہ کسی انسان کو تکلیف نہ پہونچائے، دنیا سے اپنے کو علاحدہ رکھے کہ اس کی وقعت و حیثیت دل میں جگہ نہ بنانے پائے، لوگوں کے مال و متاع سے اپنے آپ کو بے رغبت اور ہر برائی جو کسی بھی انسان کے لئے باعث تکلیف ہوسکتی ہو اس سے اپنے دل کو پاک و صاف رکھے۔

---

(۱) انسان کی زندگی کو نبی کریم ﷺ نے ایک نقشہ کے ذریعہ خوب سمجھایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روای ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مربع شکل بنائی اس شکل کے بیچ میں ایک لکیر کھینچی جس کے اوپری حصہ کو اس مربع کی حد سے تھوڑا سا باہر نکال دیا، اس درمیانی لکیر کے ہر ایک طرف آپ ﷺ نے مزید چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا درمیان کی یہ لمبی لکیر انسان ہے جسے چاروں طرف سے موت نے گھیر رکھا ہے، مربع کی حد سے لکیر کا جو حصہ باہر ہے وہ انسان کی آرزو اور خواہش ہے اور یہ جو چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں وہ مصائب و آلام اور آفات و بلیات ہیں جو انسان کی زندگی کا لازمہ ہیں، تم دیکھو گے کہ اگر انسان کو ایک آفت سے نجات ملی تو دوسرے نے آگھیرا، اس سے اس نے چھٹکارا حاصل کیا تو تیسری نے اپنی گرفت میں لے لیا اور موت تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، (بخاری شریف، کتاب الرقاق، باب فی الامل وطولہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق نقشہ کچھ اس انداز کا ہوگا۔

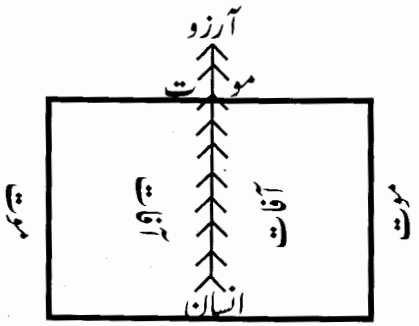

FIKR ANGHEEZ MESALEIN QURAN-O-HADIS SE

Abdul Wahhab Al Osman

TRANSLATE FROM ARABIC

ABDUL BASIT NADWI

ALMAHADUL AALI FOR TRAINING IN ISLAMIC JURISPRUDENCE
QAZI NAGAR PHULWARI SHARIF, PATNA-801505, BIHAR (INDIA)

Printed At : The Printo Stationer's, Patna, Mob.: 9934188997